علمی وتحقیقی مضامین پر مشتمل مجلہ
سہ ماہی
سوئے طیبہ
جلد1 شمارہ 1 جولائی تا ستمبر 2024ء محرم تا ربیع الاول 1446ھ
مقاصد نکاح اور چند غیر شرعی پہلوؤں کی نشاندہی
اسلامی سال نو کا آغاز اور ہمارا رویہ
عقیدہ ختم نبوت قرآن کی روشنی میں
حجیت حدیث اور منکرین حدیث کا رد
اعلیٰ حضرت بہ حیثیت مصلح امت
مدینہ منورہ حاضری کے آداب
مستشرقین کا رد بلیغ
مدیراعلیٰ:-
مولانا بلال احمد شاہ ہاشمی

سہ ماہی

سوئے طیبہ

جلد:01
شمارہ:01

محرم تا ربیع الاوّل 1446ھ
جولائی تا ستمبر 2024ء

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت

رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد رضا خان

فضیلۃ الشیخ، یادگار اسلاف، پیر سید

صابر حسین شاہ بخاری دام اقبالہ

مدیر اعلیٰ: بلال احمد شاہ ہاشمی صاحب

مدیر: مولانا دانیال سہیل عطّاری

ادارہ: قندیلِ حق، اٹک پنجاب، پاکستان

تزیین کار: جواد اسلامک انسٹیٹیوٹ

+92336-6141064

فہرست مضامین "سوئے طیبہ"

مقاصد واہداف

☆ ہم نے اس سہ ماہی مجلہ کا آغاز خالصتاً رب العالمین کی رضا پانے اور محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کی نظر رحمت حاصل کرنے کیلئے کیا ہے۔

☆ محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کی سیرت، حسن و جمال الغرض جمیع اوصاف کو وقتاً فوقتاً زینت قرطاس بنا کر لوگوں تک پہنچانا، ہمارا نصب العین ہے۔

☆ قرآن و سنت کا پیغام بنام درس قرآن و درس حدیث کے توسط سے عام کرنا۔

☆ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کرنا، اور اسکی صحیح ترجمانی کرنا۔

☆ اہل سنت کے عقائد و نظریات کا تحفظ ہمارے ترجیحی مقاصد میں سے ہے۔

☆ دین اسلام پر وارد اعتراضات کے جوابات دینا، اور تعلیمات اسلام کی صحیح ترویج و اشاعت کرنا۔

☆ صحابہ و اہل بیت کے فضائل و مناقب بیان کرنا، اور ان مقدس ذوات کا دفاع کرنا۔

☆ اس کے توسط سے لوگوں کو قرآن و سنت سے وابستہ کرنا، اور نبی پاک صاحب لولاک صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کی چوکھٹ پہ لا کھڑا کرنا۔

☆ ماہرین فن علما کے علمی شہ پاروں کے ساتھ ساتھ نوجوان فضلا کی معیاری تحریروں کو منظر عام پر لا کر انکی دلجوئی کرنا، اور انکا دست و بازو بننا۔

☆ مختلف اور جدید مسائل پر تحقیقات پیش کرنا۔

☆ معاشرے میں پھیلی بدامنی، انارکی اور بد عملی کے خاتمے کے لیے اصلاحی پیغام لوگوں تک پہنچانا۔

نوٹ! ان شاء اللہ سالانہ بنیادوں پر اس سہ ماہی کی اشاعت بھی کی جائے گی۔

اپیل! ہمارے نیک ارادوں کی تکمیل کے لیے اور ہمارا پیغام عام کرنے کے لیے ہمارا ساتھ دیجیے۔

+92310:0053916......+92315:5870158

"زیبائی"

سہ ماہی "سوئے طیبہ" کا اجراء

یادگار اسلاف، ماہر رضویات
پیر سید صابر حسین شاہ بخاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ النبی

الامین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ

واصحابہ اجمعین۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ

قلم و قرطاس کی اہمیت و افادیت اظہر من الشمس ہے۔ صاحبانِ علم و قلم نے ہر دور میں مختلف زبانوں میں قرآن وحدیث کی تفاسیر و شروحات لکھ کر اسلام وسنیت کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ ہمارے آقا و مولا پیغمبر آخر الزماں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک پہلو سیرت نگاروں نے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے محفوظ کیا ہے۔ سرکار ابد قرار احمد مختار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار کے احوال و آثار اہل علم و قلم نے محفوظ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اسی طرح تابعین، تبع تابعین، محدثین، شارحین اور سلف صالحین کی حیات و خدمات کو بھی محفوظ و مامون کرنے کے لئے ہمیشہ قلم و قرطاس کا سہارا لیا گیا ہے۔ ہمارے عقیدۂ وایمان کی اساس اور خشت اول ختم نبوت اور ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے بھی قلم و قرطاس کو بطورِ ہتھیار استعمال کیا گیا ہے۔

اسلام و مسلمین کے خلاف اٹھنے والے ہر قسم کے فتنوں کے تعاقب میں جہاد بالقلم کے محاذ پر قلم

و قرطاس کا کردار نا قابلِ فراموش ہے۔

الحمدللہ، ہمارا ماضی نہایت ہی تاب ناک اور روشن رہا ہے، ہمارے اکابرین نے نامساعد اور مشکل حالات کے باوجود بھی قلم و قرطاس کے ذریعے اسلام و سنیت کی ترویج و اشاعت کا فریضہ نہایت ہی احسن انداز میں سر انجام دیا، جس پر ان کی گراں قدر تصنیفات و تالیفات اور مؤقر جرائد و رسائل شاہد و ناطق ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں ہمارے اکابرین نے احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے دیگر زبانوں کے علاوہ اردو زبان میں بھی نہ صرف تصنیفات و تالیفات کا ایک وسیع و عریض ذخیرہ چھوڑا بلکہ انہوں نے صحافتی میدان میں بھی بے شمار جرائد و رسائل نکال کر اعتقادی اور نظریاتی دنیا میں ہمارے لیے کئی نقوش جاوداں چھوڑے ہیں۔

بد قسمتی سے اس وقت ہم ایک نہایت ہی نازک اور پر فتن دور سے گزر رہے ہیں ۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے ایک طوفان برپا کیا ہوا ہے ۔ یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیاں اور کارستانیاں عروج پر پہنچی ہوئی ہیں۔ فتنۂ قادیانیت، فتنۂ ذکریت، فتنۂ بہائیت کی سرگرمیاں نہایت ہی تیزی سے جاری ہیں اور ان تمام فتنوں کو "فتنۂ صلح کلیت" نے اپنے اندر لیا ہوا ہے، ان تمام فتنوں کو لبرل اور سیکولر اور آزاد خیال طبقے کی آشیر باد بھی حاصل ہے۔

یہ کبھی صحافیوں ، دانشوروں، اور کبھی وکیلوں اور سیاست دانوں کے روپ میں آکر اور پینترے بدل بدل کر ان فتنوں کی تائید و حمایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ستم ظریفی اور ظلم کی انتہا یہ ہے کہ ہمارے کئی سادہ لوح مسلمان ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر ان کے دام تزویر میں بری طرح پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ ہر محاذ پر ان فتنوں کا تعاقب کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو ارتداد سے بچانا ہم سب کا فریضۂ اولیں ہے۔ ہمارے علما و مشائخ کو آگے بڑھ کر ان فتنوں کی فتنہ سامانیوں کے آگے بند باندھنے کی ضرورت ہے۔

الحمدللہ علی احسانہ ، ہمارے نوجوان طبقے نے

احساس کیا ہے اور ان کی صفوں میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے اپنی اپنی بساط اور حیثیت کے مطابق اسلام و سنیت کی تبلیغ واشاعت کے لئے پاک وہند سے کئی جرائد ورسائل جاری کئے ہیں۔ ہمارے مہربان اور قدر دان مولانا بلال احمد شاہ ہاشمی اور ان کے ساتھی مولانا دانیال سہیل نے اسی سلسلۃ الذہب کے تحت مملکت خداداد پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع اٹک سے ایک جریدہ حمیدہ سہ ماہی "سوئے طیبہ" کا اجراء عمل میں لایا ہے۔ یہ مجلہ سوشل میڈیا پر پی ڈی ایف فائل میں آن لائن رہے گا اور سال کے آخر میں اسے کتابی صورت میں بھی شائع کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ۔

اس کی مجلسِ ادارت اور مجلس مشاورت میں دنیائے اہل سنت کے مشاہیر صاحبان علم و قلم شامل ہیں۔

اسلام اور سنیت کی ترویج و اشاعت کے لئے یہ مختص ہے اور ہمارا ہر کام اور عمل ایسا ہو جو ہمیں "سوئے طیبہ" رواں دواں رکھے۔

"سوئے طیبہ" کا یہ پہلا شمارہ اور نقش اول ہے۔

قارئین کی ضیافت طبع اور ذوق مطالعہ کے لئے حاضر ہے ۔ اسے پڑھیں اور اپنی گراں قدر آراء سے ضرور نوازیں تاکہ ہمارا خوب سے خوب تر کا سفر "سوئے طیبہ" جاری وساری رہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں اس میں کامیابی وکامرانی عطافرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ واولیاء امتہ وعلماملتہ اجمعین۔

دعا گوو دعاجو،

گدائے کوئے مدینہ شریف،

احقر سید صابر حسین شاہ بخاری قادری غفرلہ (خلیفۂ مجاز بریلی شریف، سرپرست اعلیٰ، سہ ماہی مجلہ "سوئے طیبہ" آن لائن، برھان شریف ضلع اٹک پنجاب پاکستان)

21 ذوالحجۃ الحرام 1445ھ

28 جون 2024ء

بروز جمعۃ المبارک بوقت 12:30، دن

حمد باری تعالیٰ

از: محمد عدنان حسن زار

ترا نام لب پہ آیا تجھے حمد ہے خدایا
تجھے حمد ہے خدایا تجھے حمد ہے خدایا
تو نے رحمتوں کا دریا سرِعام ہے بہایا
تجھے حمد ہے خدایا تجھے حمد ہے خدایا
میں نے جب پکارا تجھ کو مری ٹل گئی مصیبت
ہوا مجھ پہ تیرا سایا تجھے حمد ہے خدایا
مرے مولا میرے داتا مرے حال پر نظر کر
توہی میرا ملجا ماوا تجھے حمد ہے خدایا
یہ غمِ جہاں کی آتش مجھے راکھ کر ہی دیتی
جو نہ ہوتا تیرا سایا تجھے حمد ہے خدایا
ترے ذکر کی بدولت مرے گھر میں رونقیں ہیں
مرے گھر کو ہے بسایا تجھے حمد ہے خدایا
میں گناہ گار مجرم ترے در پہ آگیا ہوں
مجھے بخش دے خدایا تجھے حمد ہے خدایا
میں نے جب پکارا تجھ کو رگِ جاں سے بھی قریں تر
تجھے ہر گھڑی ہے پایا تجھے حمد ہے خدایا
یہی دل کی ہے تمنا کہ نفس نفس میں مولا
ترا نام ہو سمایا تجھے حمد ہے خدایا
کروں شکر زارؔ اِس پر کہ جنابِ مصطفیٰ کا
مجھے امتی بنایا تجھے حمد ہے خدایا

نعت شریف

از: محمد مُعَظَّم سدا معظؔم مدنی

سایہ افگن ترا داماں ہے سبحان اللہ
دھوپ محشر کی بھی حیران ہے سبحان اللہ
مہرِ طیبہ کے جو آئے تھے نقیب ان میں سے
اِک مَہِ مَطلَعِ کنعان ہے سبحان اللہ
جس سے عالَم کے حسینوں نے ملاحت پائی
حسنِ شہ کا وہ نمکدان ہے سبحان اللہ
مالکُ الملک کے محبوب ! ترے صحرا کا
ذرّہ اِک مُلکِ سُلیمان ہے سبحان اللہ
عقلِ سقراط و ارسطو ہے ترے در کی کنیز
اور بندہ ترا لقمان ہے سبحان اللہ
ناخنِ شاہ کو کر یاد گرفتارِ بلا !
حلِّ عقدہ ابھی آسان ہے سبحان اللہ
دَم ہے اَموات کا مُحیِی تو لُعابِ اَقدس
دفعِ بیماریٔ اَبدان ہے سبحان اللہ
کیوں نہ حیواں کی زباں سمجھے سلیمان کا شاہ
وہ تو بے جاں کا زباں دان ہے سبحان اللہ
قبر کیونکر نہ ہو روشن کہ معظؔم دل میں
عشقِ سرکار کا لمعان ہے سبحان اللہ

منقبت

از: محمد معظم سدا معظم مدنی

شریکِ زمرۂ آلِ عبا امام حسین
مرادِ آیۂ " اَبناءَنا " امام حسین
برائے کثرتِ محبوبیت مُصَغّر ہے
ہے تیرا نام بھی ورنہ بڑا امام حُسین !
علومِ ظاہر و باطن میں عکسِ نقطۂ "با"
عمل میں خلقِ عظیم آشنا امام حسین
سمائے قافلۂ " یُنفِقُونَ سِرّاً " پر
طلوع ہے ترا مہرِ عطا امام حسین
سبیلِ فہمِ طہارت ،ظہورِ حسنِ حسَن
دلیلِ جلوہ گہِ ھَل اَتیٰ امام حسین
جو شب میں ماہِ " یَبِیتُونَ سُجّداً " ٹھہرا
تو دن میں شمسۂ "یَتلُون" ہوا امام حسین
لوائے حمد بپے اہلِ محشرِ عرفاں
نشانِ منزلِ فوز و ھدیٰ امام حسین
ہے شرحِ متنِ "انا من حسین " سے یہ بھی
کہ دینِ شہ کی ہیں وجہِ بقا امام حسین

ہوئے ہیں زمرۂ لا یحزنون کے سرخیل
بنے ہیں سیدِ اہلِ صفا امام حسین
ترے دہن کے افق پر طلوع ہوتا رہا
زبانِ شاہ کا خورشید یا امام حسین
کُہولِ خلد کے عمرَین ہیں جو سید، تو
شبابِ خلد کے ہیں مجتبیٰ ، امام حسین
نقاب اٹھا اے شبیہِ رسول ! حسرت ہے
کہ دیکھ لوں میں رخِ والضحیٰ امام حسین
عجب کشش ہے تری مدح میں کہ جتنا لکھوں
میں پھر بھی چاہوں کہ لکھوں سوا امام حسین
میں کربلائی ہوں کرب و بلا کو کہہ دیجے
مجھے ستایا تو کہہ دوں گا یا امام حسین
اسی پہ میں نے معظم سخن تمام کیا
ہیں میرے حرف و گماں سے ورا امام حسین

درس قرآن (قسط:01)

از: مولانا مبشر قادری (لاہور)

اللہ رب العزّت کا فرمان ہے:

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام سے بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا۔(النساء:36)

مذکورہ آیت مبارکہ کو اگر بنیادی اسلامی تعلیمات کا خلاصہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا، کہ اس آیت مبارکہ میں انتہائی جامعیت اور احسن پیرائے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بیان کیا گیا ہے، اور تمام اسلامی تعلیمات کا تعلق انہی حقوق کے ساتھ ہے ،دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی احکامات کے نزول کا ایک اہم مقصد حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بیان کرنا ہے اور مذکورہ آیت مبارکہ میں انہی کا بیان ہے،اس طور پر مذکورہ آیت مبارکہ دو حصوں پر مشتمل ہے ایک حصے میں حقوق اللہ کا بیان ہے اور دوسرے میں حقوق العباد کا۔

حصہ اول:

حق کا معنی: کسی ذات کا دوسری ذات پر کچھ لازم آنا اور جس کا اس سے مطالبہ ہو۔ جس پر یہ ذمہ و مطالبہ لازم آتا ہے اسکے لیے یہ فرض (غیر اصطلاحی) بن جاتا ہے۔

آیت مبارکہ میں حقوق اللہ کا بیان:

مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالی کے دو ایسے حقوق کو بیان کیا گیا ہے کہ جن و اِنس میں سے ہر ایک ان حقوق کو پورا کرنے کا مکلف ہے اور کوئی بھی شخص دنیا و آخرت میں ان حقوق کی خلاف ورزی کرکے کامیاب نہیں ہوسکتا، بلکہ ناکامی و بدقسمتی اس کا مقدر بن جاتی ہے اللہ عزوجل کا بندوں پر حق یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا

اللہ عزوجل کی عبادت یعنی اسے معبود واحد جاننا اسکی توحید کو بیان کرنا اور اخلاص کے ساتھ تمام اعمال کو اللہ عزوجل کیلئے بجالانا اور جان دار و بے جان مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانا بندوں پر لازم ہے۔

اللہ عزوجل کی عبادت، تخلیق جن و انس کی اساس اور جن وانس کا بنیادی فریضہ ہے کہ جس سے چھٹکارے کی صورت نہیں اور اس میں انسانیت کی بھلائی وکامیابی ہے کہ انسان خود کو معبود واحد کا محکوم و عابد تسلیم کرکے اپنے تمام معاملات کو اسی خالقِ برحق کے سپرد کردے اور اسی کے احکامات کی پیروی کرے۔

عبادت کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: عبادت کا لغوی معنی تواضع و انکساری کے ساتھ اطاعت کرنا ہے۔ (لسان العرب 3/273، بیروت)

عبادت کا اصطلاحی معنی اعتقاد الوہیت کے ساتھ کسی کی تعظیم اور اطاعت کرنا ہے۔ تفسیر نسفی میں ہے: (وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ) قيل العبودية أربعة الوفاء بالعهود والرضا بالموجود والحفظ للحدود والصبر على المفقود۔ عبودیت میں چار چیزیں ہیں عہد کو پورا کرنا، جو پاس ہے اس پر راضی رہنا، اللہ عزوجل کی حدود کی حفاظت کرنا، اور جو نہ ہو اس پر صبر کرنا۔

(تفسیر نسفی، 1/365 بیروت)

کفار ہوں یا مسلمان سب کو عبادت کا حکم ہے اور ہر ایک اس کا مکلف ہے مومنین کو عبادت کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیادہ عبادت کریں اور اس پر ثابت قدم رہیں اور کفار کو عبادت کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد عبادت شروع کریں۔

شرک کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: الاشراك هو اثبات الشريك فى الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس اوبمعنى استحقاق العبادة كمالعبدة الاصنام

شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے خواہ کسی کو اللہ کے سوا واجب الوجود مانا جائے جیسا کہ مجوس مانتے ہیں یا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ بت پرست مانتے ہیں۔ (شرح العقائد صفحہ ۵۶، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

یعنی شرک کا مدار دو چیزوں پر ہے اللہ عزوجل کے سوا کسی کو واجب الوجود جاننا (یعنی مستقل بالذات ماننا اور اسکے وجود کو ایسا ضروری سمجھنا کہ جس کے لیے بقا ہی بقا ہے اور فنا نہ ہو) یا عبادت کا مستحق ماننا اسکے علاوہ شرک کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور اللہ عزوجل کی عطا سے انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء عظام رضی اللہ تعالی عنہم کو حاجت روا و مشکل کشا ماننا، انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب دان و حاضر و ناظر جاننا، میلاد مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جلوس و محافل کا انعقاد کرنا، بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دینا ان کے اعراس کی محافل منعقد کرنا، ایصال ثواب کی محافل وغیرہ یہ تمام امور نہ شرک ہیں اور نہ ہی کفر، بلکہ یہ تمام عقائد و نظریات اور افعال قرآن و حدیث کی تعلیمات سے ہیں اور ان کی تائید سے مؤید ہیں کیونکہ کوئی بھی مسلمان اللہ عزوجل کے سوا مخلوق میں سے نہ تو کسی کو عبادت کا مستحق جانتا ہے اور نہ ہی واجب الوجود اور نہ ہی کسی اور کفریہ کام کا اعتقاد رکھتا یا مرتکب ہوتا ہے، کہ جس سے دائرہ اسلام سے خارج ہونا لازم آئے، لہذا ان افعال کے بجالانے والے صحیح العقیدہ مسلمانوں پر شرک کے فتوے لگانا اور انہیں بدعتی کہنا، دین اسلام کی تعلیمات سے منحرف ہونا اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کرنا ہے اور خود کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا ہے، لہذا ایسے لوگوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہیے۔

علماء کرام نے ایسے لوگوں پر لزوم کفر کا حکم لگایا ہے اور حدیث مبارکہ میں ہے: عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أيما رجل قال لأخيه يا كافر، فقد باء بها أحدهما ترجمہ: جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا (یعنی

جس کو کہا گیا اگر وہ کافر نہیں تھا تو اب کہنے والا کافر ہو جائے گا)۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث 6104)

لَا تُشْرِكُوْا ۔ اشراک سے بنا ہے اس کا مادہ شرک ہے۔ چاہے کسی مخلوق کو خدا عزوجل کی طرح مستقل خالق مانے جیسے مجوسی یزدان کو خالق خیر مانتے ہیں اور خالق شر اہرمن کو کہتے ہیں یا جیسے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو یا مشرکین فرشتوں علیہم السلام کو خدا عزوجل کا بیٹا یا بیٹیاں مانتے تھے انکی تردید فرمائی گئی اور شرک کرنے والے جاندار اور بے جان دونوں کو ہی خدا کا شریک بناتے ہیں، لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ولا تشرکوا کے بعد شیئاً فرما کر دونوں کا رد کیا اور بتایا کہ ربوبیت الٰہی میں جاندار اور بے جان دونوں شریک نہیں اور اسی طرح اس کی عبادت میں۔ شرک کی مذمت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا(۴۸)

ترجمہ: بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا گناہ کا طوفان باندھا۔ (النساء:48)

تفسیر خازن میں ہے: عبادة الله تعالى عبارة عن كل فعل يأتي به العبد لمجرد الله تعالى ويدخل فيه جميع أعمال القلوب وأعمال الجوارح وَلا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً يعني وأخلصوا له في العبادة ولا تجعلوا له في الربوبية والعبادة شريكا لأن من عبد مع الله غيره أو أراد بعمله غير الله فقد أشرك به ولا يكون مخلصا

ترجمہ اللہ عزوجل کی عبادت سے مراد ہر وہ فعل ہے جسے بندہ محض اللہ عزوجل کی رضا کیلئے بجا لائے اور اس میں دل اور اعضاء کے تمام اعمال داخل ہیں "وَلا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً" یعنی اللہ عزوجل کیلئے عبادت میں اخلاص پیدا کرو اور اللہ عزوجل کی ربوبیت اور عبادت میں شریک نہ بناؤ کیونکہ جو اللہ عزوجل کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرے یا اپنے عمل سے غیر اللہ کی رضا کا ارادہ کرے پس اس نے اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کیا اور وہ مخلص نہ ہو گا۔ (تفسیر خازن، 1/ 373، دار الکتب العلمیہ بیروت)

آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل کی عبادت کے ساتھ شرک سے بچنے کا بھی حکم ارشاد فرمایا گیا کیونکہ دنیاو آخرت میں کامیابی کیلئے دونوں حقوق کو پورا کرنا ضروری ہے اور ایک پر عمل کے ساتھ دوسرے کا ترک مدارِ نجات نہیں اور اس میں ان مذاہب باطلہ کا رد ہے جو اللہ عزوجل کی عبادت تو کرتے ہیں لیکن ساتھ میں شرک بھی کرتے ہیں ،لہذا یہ بالکل قابل قبول نہیں اور ایک پر عمل کے ساتھ دوسرے کا انکار دونوں سے انحراف ہے۔ الہامی مذاہب میں سے اس کی سب سے واضح مثال عیسائیت ہے کہ جو عبادت تو اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ہی اقانیم ثلاثہ (باپ، بیٹا، روح القدس) کے بھی قائل ہیں اسی طرح ہندو اور سکھ و دیگر مذاہب۔

حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں دراز گوش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں، اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کرے وہ اس کو عذاب نہ دے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا ان کو خوش خبری نہ دو ورنہ وہ اسی پر توکل کر کے بیٹھ جائیں گے (عمل نہیں کریں گے) (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۸۵۶)

یاد رہے احادیث مبارکہ میں جو اللہ عزوجل پر بندوں کے حق کا ذکر فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے فضل اور کرم سے ایسے لوگوں کیلئے مغفرت اور انعامات کا وعدہ فرمایا ہے (اور وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا) نہ یہ کہ بندے کے اعمال کی وجہ سے اللہ عزوجل پر کچھ لازم ہو جاتا ہے، جس کا کرنا اس کیلئے لازم و ضروری ہو جائے کیونکہ اللہ عزوجل مستقل بالذات ہے اور اس پر عذاب و ثواب کچھ بھی لازم نہیں وہ جو کچھ کرتا ہے وہ عین حق اور عدل و انصاف ہے اس میں ظلم وزیادتی کا کچھ بھی شائبہ نہیں۔

درس حدیث (قسط:01)

از: مولانا بلال احمد شاہ ہاشمی

متنُ الحدیث:

"عن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ إِمَامٌ عَدْلٌ وَ شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ"

ترجمۃُ الحدیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا:

(1)انصاف کرنے والا حاکم،(2)ایسا نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے جوان ہوا ہو(3)ایسا شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے(4)ایسے دو افراد جو باہم اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں،اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے(5)ایسا شخص جسے کسی خوب صورت اور عزت دار عورت نے بلایا لیکن اس نے یہ جواب دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں،(6)ایسا شخص جو اس طرح مخفی صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا،(7)اور ایسا شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگ جائیں۔(بخاری شریف ،کتاب الزکاۃ،الحدیث:1423)

الفاظ کے معانی:

(1)"ظِلٌّ" کا لغوی معنی سایہ ہے۔ جیسا کہ المحیط میں ہے:"نقصُ الضوءِ الحاصلُ من حاجز بينك وبين الشمس"۔

(2)"مُعَلَّقٌ" کا لغوی معنی "لٹکا ہوا ہونا" ہے۔ مثلا کہا جاتا ہے:"عَلَّق الشيءَ بالشيءِ۔

(3)"تَحَابَّا" باب تفاعل سے صیغہ تثنیہ ہے، اس کا مصدری معنی "دو افراد کا باہم محبت کرنا" ہے۔

(4)"تَفَرَّقَا" باب تفعل سے صیغہ تثنیہ ہے، اس کا مصدری معنی ہے:"دو افراد کا جدا ہونا۔

(5)"شِمَالُ" کا لغوی معنی ہے:"بایاں"۔ یہاں پر شمال سے مراد بایاں ہاتھ ہے۔

قرآن کریم میں ہے: لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ
ترجمہ: بیشک قومِ سبا کے لیے ان کی آبادی میں نشانی تھی، دو باغ تھے ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔

(6)"فَاضَتْ" کا لغوی معنی ہے: "چھلکنا، بہنا" معنی ہوا آنکھوں کا بہنا۔

مفهومُ الحديث:

اِس حدیث میں سات قسم کے افراد کا ذکر ہے، جنہیں روز جزا سایہ عرش نصیب ہو گا، سات کا عدد ذکر کرنے سے تحدید اور حصر مقصود نہیں، بلکہ محض موقع محل کی بنسبت عدد ذکر کیا گیا، اور اِن اوصاف کی اہمیت و فضیلت کو بیان کیا گیا۔ کیوں کہ احادیث میں دیگر افراد کا ذکر بھی ملتا ہے، احادیث میں مذکور اعداد کی تعداد درجنوں سے مُتجاوز ہے۔

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ روزِ محشر جب ہر فرد انتہائی مشکل میں ہو گا، سورج سوا نیزے پر ہو گا، بندہ اپنے اعمال کے مطابق پسینے سے شرابور ہو گا، گرمی کی شدت انتہا پر ہو گی، ہر شخص سکون، راحت اور آسانی کا متلاشی ہو گا، اس مشکل وقت میں جبکہ عرش الٰہی کے سوا کسی شے کا سایہ نہ ہو گا، سایہ لینے کا خواہاں ہر شخص ہو گا، مگر یہ سایہ کسی کو نہ ملے گا۔

ہاں! کچھ لوگ ہونگے، جن پر لطف و کرم ہو گا، انہیں اللہ تعالٰی اپنے عرش کا سایہ نصیب کرے گا، یوں وہ لوگ گرمیِ محشر اور محشر کی جمیع ابتلاؤں سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

مفاداۃُ الحدیث:

1۔سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔

پہلی بات تو یہاں یہ یاد رکھنی چاہیے کہ حدیث میں جو لفظ سبعۃ وارد ہوا ہے ، جس کا معنی "سات "ہے ،اس سے تحدید مقصود نہیں،اور سات سے مراد سات لوگ نہیں بلکہ سات طبقات ہیں،یعنی سات اوصاف کا ذکر ہے،وہ اوصاف جس جس میں پائے جائیں گے ،اس حدیث کا مصداق قرار پائے گا،اگرچہ ان کی تعداد لاکھوں کروڑوں ہو۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ محض یہی سات طبقات عرشِ الٰہی کا سایہ پائیں گے ،ایسا نہیں ،بلکہ دیگر بھی کئی قسم کے لوگ اس فضیلت کو پائیں گے ،اس پر دیگر احادیث شاہد ہیں۔

ظل کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کی گئے ہے،جبکہ وہ سائے سے پاک ہے،لہذا معنی یہ ہو گا کہ یہ افراد رحمتِ الٰہی میں ہونگے جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر نے "ظل"سے مراد رحمت لی ہے تو معنی ہو گا"رحمتِ الٰہی"اور اگر اس سے مراد حقیقی سایہ ہو تو پھر معنی بنے گا کہ عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہو گا،اس بات کی مؤید یہ حدیث ہے:"سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ(او تحت) ظِلِّ عَرْشِهٖ"سات آدمیوں کو اللہ اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ (مشکل الآثار للطحاوی،15/69،الحدیث:5844)

عرش کا سایہ ثابت ہے،کم و کیف معلوم نہیں،ہم بغیر تاویل کے اس کے حق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔

جس دن عرشِ الٰہی کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا،اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔ قیامت کا دن کیسا ہو گا،اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَاۖ(۱۷) السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا(۱۸)

ترجمہ: پھر کیسے بچو گے اگر کفر کرو اس دن سے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا آسمان اس کے صدمہ

سے پھٹ جائے گا اللہ کا وعدہ ہو کر رہنا۔(سورۃ المزمل ،الآیۃ:17-18)

معلوم ہوا قیامت کا دن بہت ہولناک ہو گا،اس کی شدت سے ہر شخص پناہ مانگ رہا ہو گا،اس کی طوالت بھی ہیبت ناک ہو گی، چہار جانب سے عافیت کا سوال کیا جا رہا ہو گا،اس بلائے عظیم میں عرشِ الٰہی کا سایہ مل جانا ایسے ہی ہو گا جیسے پیاسے کو کنواں مل جائے۔

2.إِمَامٌ عَدْلٌ انصاف کرنے والا حاکم۔

ظاہر ہے یہاں ایسے باکمال لوگوں اور خوبیوں کا ذکر ہے ،جنہیں بروز حشر خدائے بزرگ و برتر عزتوں اور رفعتوں سے نوازے گا۔

نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے "إِمَامٌ عَدْلٌ"کا ذکر فرمایا،اس سے یہ بات خوب واضح ہو گئی کہ وصف عدل اور عادل حکمران دونوں کی بڑی فضیلت ہے۔

عدل کی تعریف:

العدل الأمر المتوسط بين الإفراط والتفريط۔ترجمہ:عدل اِفراط و تفریط کے درمیان متوسط کام کو کہتے ہیں۔(برصغیر پاک وہند میں نظام عدل، صفحہ 9)

اصل میں "اِمَامٌ عَادِل" ہے، مگر وصف عدل میں مبالغہ کرتے ہوئے کہ امام بہت زیادہ عدل کرنے والا ہے،اس لیے عادل کی جگہ "عدل"وصف کو ہی ذکر کر دیا، گویا امامِ عادل عدل سے استعارہ بن گیا ہے۔

فائدہ!"امام "سے محض حکمران بمعنی ملک کا سربراہ مراد نہیں،بلکہ اس لفظ کے تحت وہ افراد بھی شامل ہیں جن کے پاس کسی قسم کا بھی فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔

گھر کا سربراہ، کمپنی کا آفیسر، چیف جسٹس وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔

عدل کی فضیلت بھی ہے اور ضرورت بھی۔

قرآن میں ہے:وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ

ترجمہ:اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔(سورۃ الشوریٰ،الآیۃ:15)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا

بِالۡعَدۡلِ ؕاِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕاِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا (۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔(سورۃ النساء، الآیۃ:58)

3. وَشَابٌّ نَشَأَفِي عِبَادَةِ اللّٰهِ. ایسا نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے جوان ہوا ہو۔

دَرْ جَوانِی تَوبَہ کَرْدَن شیوَۂ پَیغَمبَری
وَقتِ پِیرِی گُرگ ظَالِم مِیْ شَوَدْ پَرہیزگَار

ترجمہ: جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کی سنت ہے۔ بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیز گاری کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں
جب بڑھاپا آگیا کچھ بات بن پڑتی نہیں

انسان سے عبادت کا تقاضا ہے، مگر عبادت کی چاشنی، لذت اور روحانیت کا مزہ تب ہی ہے، جب اعضا سلامت اور قوی ہوں، تب انہیں رب کائنات کے سامنے جھکایا جائے۔

ویسے تو ہر بالغ سے عبادت بجالانے کا تقاضا ہے مگر بندے کی زندگی میں جوانی کا مرحلہ بڑا حساس ہوتا ہے۔ نوجوان عام طور پر نفسانی خواہشات کے پیرو ہوتے ہیں اور جوانی کو گناہوں اور غفلتوں میں گزار دیتے ہیں۔ اور جب دین پر عمل کرنے کی دعوت دی جائے تو جواب ملتا ہے کہ: ابھی بہت وقت ہے۔

چوں کہ جوانی میں گناہوں پر قدرت بنسبت بڑھاپے کے زیادہ ہوتی ہے، بوڑھا شخص تو زندگی گزار چکا ہوتا ہے، جب کہ نوجوان عین جوانی کے عالم میں ہوتا ہے۔

مفتی منیب الرحمن صاحب اپنے کالم بنام "درس حدیث" میں لکھتے ہیں: "ابھرتی جوانی میں انسان کی حیوانی، شہوانی اور غضبانی قوتیں پورے شباب پر ہوتی ہیں، اس کے بھٹکنے اور بہکنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں، گردوپیش کا ماحول بھی اس کے لیے ساز گار ہوتا ہے اور جب عریانی اور فحاشی کے مناظر جوان جذبات کو اشتعال دلانے والے ہوں، ایسے میں کوئی اپنی ان تمام قوتوں کو قابو میں کر کے ملکوتی قوت کے تابع کردے اور ہوا و ہوس میں مبتلا نفس

کو شریعت کی لگام دیدے، تو اس کی عبادت کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے، اس کے سجدوں میں حضوری کی کیفیت ہوتی ہے، اس کی جوانی پاکیزہ اور ملائک کے لیے قابلِ رشک ہوتی ہے، علامہ اقبال نے کہا ہے:

جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیّاد ہے مومن
کہتے ہیں فرشتے کہ دِل آویز ہے مومن
حُوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

اگر یہ فرصت کے لمحات غفلت میں گزار دیے تو پھر ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

روتی ہے شبنم کہ نیرنگِ جہاں کچھ بھی نہیں
خندہ زن ہیں بلبلیں گل کا نشاں کچھ بھی نہیں

لہذا جوانی میں رجوع الی اللہ اور نفس پر قابو رکھنے کی وجہ سے عبادت کی زیادہ فضیلت ہے۔

جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: "جس نوجوان نے لذّتِ دُنیا اور اس کے عیش و عشرت کو چھوڑ دیا اور اپنی جوانی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اِطاعت کی جانب پیش قَدَمی کی تو، اللہ عَزَّوَجَلَّ اس خوش نصیب کو بَہَتّر صِدّیقین کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔ (کنز العمال، کتاب المواعظ والرقائق...الخ، الفصل الاول، الحدیث: 43099)

اسی فضیلت کے پیش نظر روز جزا نوجوان عابد ان لوگوں میں شامل ہو گا جنہیں اللہ تعالی اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا۔

4. وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ ایسا شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے۔

یہاں پر مسجد میں دل لگانے کی ترغیب ہے، ہماری پستی تو دیکھیں کہ ہم مسجد میں عین جماعت یا خطبے کے وقت پہنچتے ہیں اور سلام پھیرتے ہی وہاں سے چل دینے میں عافیت خیال کرتے ہیں، مگر معاملہ اس کے برعکس ہے بایں معنی کہ ایمان کی حفاظت، نیکیوں کا ذہن اور معصیتوں سے چھٹکارا اسی میں ہے، کہ خالق کائنات کی بارگاہ میں سر اور دل دونوں کو جھکائے رکھیں۔

مسجد میں دل لگائے رکھنے کا مطلب ہے کہ بندہ فرصت کے اوقات مسجد میں گزارے۔

ہاں! اپنی ضروریات اور مصروفیات (جو لوازمات حیات کے زمرے ہیں) کے سبب مسجد سے نکلنا پڑتا ہے، یہ چیز مسجد میں دل لگائے رکھنے کے منافی نہیں کہ مصروفیات کے باوجود مسجد میں دل لگائے رکھنا ممکن ہے۔ فارسی کی کہاوت ہے: "دست بہ کار و دِل

بہ یار"، ہمارے ہاں یہ کہاوت مشہور ہے شاید اسی فارسی کہاوت کا ترجمہ ہے "ہتھ کار وَل، دل یار وَل" اور یہی مطلوب بھی ہے کہ حضوری مل جائے ،اگر حضوری نہ ملے تو معاملہ یوں ہوتا ہے کہ سر سجدے میں رکھ کر بھی "دل یار ول" نہیں ہوتا ،بلکہ کہیں اور ہی مستغرق ہوتا ہے۔

5.وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللہِ اجْتَمَعَا عَلَیْہِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْہِ ایسے دو افراد جو باہم اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں، اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے۔

خدا کے دوستوں سے دوستی
ہرگز نہ چھوڑیں گے
نبی کے دشمنوں کی دشمنی ہرگز نہ چھوڑیں گے

اللہ پاک کی خوشنودی کے لیے رشتہ قائم رکھنا اور اس کے لیے ہی رشتہ ختم کرنا ایمان کے کامل ہونے کی نشانی ہے، کہ جو ہے وہ اسی کے لیے ہے، جو اس کا ہے وہ ہمارا بھی ہے اور جو اس کا نہیں وہ ہمارا بھی نہیں۔

اس تصور سے انانیت، تکبر ،ریا اور حسد جیسی متعدد بیماریاں جڑ سے اکھڑ جاتی ہیں۔

اپنی ذات کا کوئی مدعا نہیں، کچھ طلب نہیں، جو کچھ ہے اسی کی رضا پانے کے لیے ہے، اور ہم سے تقاضا بھی یہی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِی اللہِ وَالْبُغْضُ فِی اللہِ یعنی اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر کسی سے نفرت کرنا سب سے زیادہ فضیلت والا عمل ہے۔(ابوداؤد، 4/264، حدیث:4599)

حکیمُ الاُمَّت مفتی احمد یار خان علیہ رحمۃ اللہ علیہ اِس حدیثِ پاک کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ نماز، زکوٰۃ، جہاد بھی اَلْحُبُّ فِی اللہِ کی شاخیں ہیں کہ مسلمان ان اعمال سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے اور تمام گناہوں سے نفرت اَلْبُغْضُ فِی اللہِ کی شاخیں ہیں کہ مؤمن تمام گناہوں سے اللہ تعالیٰ کے لیے نفرت کرتا ہے، یوں ہی نمازیوں عابدوں سے محبت اللہ کے لیے ہے، کُفّار اور فُسّاق سے نفرت اللہ کے لیے۔(مراٰۃ المناجیح، ج6، ص601)

6.وَرَجُلٌ دَعَتْہُ امْرَأَۃٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّی أَخَافُ اللّٰہَ ایسا شخص جسے کسی خوب

صورت اور عزت دار عورت نے بلایا لیکن اس نے یہ جواب دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

حسنِ فانی پہ اگر تو جائے گا
یہ منقش سانپ ہے ڈس جائے گا

یعنی اگر کوئی خوب صورت و عزت دار (نہ کہ پیشہ ور یا بد صورت) عورت برائی کی طرف بلائے اور بندہ گناہ کی طرف نہ جائے تو یہ کمال ہے کہ عورت خوب صورت بھی ہے اور عزت دار بھی عموما ایسی عورت سے طبعا نفرت نہیں میلان ہوتا ہے، جب وہ خود مائل ہو تو اور کچھ رکاوٹ نہیں رہتی، مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اگر کوئی بندہ اپنے نفس پر قابو کرتا ہے، اور گناہ سے بچ جاتا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی و داد بنتی ہے۔

اور کمال یہ کہ وہ بندہ گناہ سے اس خوف سے دور نہیں بھاگتا کہ لوگ دیکھ رہے ہیں، یا لوگوں کا ڈر ہے، بلکہ اس وجہ سے اپنے دامن کو داغ دار ہونے سے بچاتا ہے کہ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔

اصل وجہِ فضیلت یہی چیز ہے کہ محض خشیتِ الٰہی اور اس کی خوشنودی کے لیے گناہوں کو ترک کیا جائے۔

7. وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ ایسا شخص جو اس طرح مخفی صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

صدقات و خیرات کرنے کی ترغیبات و فضائل تو ہیں ہی مگر یہاں پر صدقہ چھپا کر دینے کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس طرح ریا کاری کا اندیشہ نہیں رہتا۔ چھپا کر صدقہ دینا، علانیہ صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ قرآن میں ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ

ترجمہ: اگر خیرات علانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔ (پارہ:3، سورۂ بقرہ: 271)

چونکہ دایاں اور بایاں ہاتھ قریب تر ہوتے ہیں، اس لیے صدقہ چھپا کر دینے کو بطور مبالغہ یوں ذکر کیا کہ صدقہ اس طرح کرے کہ بائئں کو خبر نہ ہو کہ دائیں نے کیا خرچ کیا ہے۔

یہاں پر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ صدقہ یا کوئی بھی بھلا کام دائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے۔

8۔وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔اور ایسا شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگ جائیں۔

بریز اشکِ ندامت کہ نامہائے سیاہ
بآب دیدہ تواں شست و دست استغفار
طاعت کند سرشک ندامت گناہ را
بارش سفید می کند ابرِ سیاہ را

یہاں اللہ پاک کا ذکر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے،ذکر الٰہی بے چین دلوں کے چین کا سبب ہے،اعمال میں افضل ترین عمل ہے۔

حضرت معاذ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہُ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے پوچھا: مجاہدین میں سے کون اجر و ثواب میں سب سے بڑھ کر ہے؟ ارشاد فرمایا”ان میں سے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ہے۔اس نے عرض کی: روزہ رکھنے والوں میں سے کس کا اجر سب سے زیادہ ہے؟ ارشاد فرمایا”ان میں سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنے والوں کا۔

پھر وہ نماز پڑھنے والوں، زکوٰۃ دینے والوں، حج کرنے والوں اور صدقہ دینے والوں کے بارے میں پوچھتے رہے تو رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم یہی ارشاد فرماتے رہے کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ یاد کرنے والے کا اجر سب سے زیادہ ہے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہُ نے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنۡہُ سے کہا اے ابو حفص! اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے سب بھلائی لے گئے۔ رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں (وہ بھلائی لے گئے)۔ (مسند احمد، مسند المکیین، حدیث معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ تعالی عنہ، 5/308، الحدیث:15614)

یاد الٰہی میں مطلقا روحانیت رکھی گئ ہے، مگر تنہائی اور اشکوں کی قطاروں میں جو ذکر الٰہی کا مزہ ہے وہ اور کہاں؟

نبی پاک صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ”دو آنکھیں ایسی ہیں کہ انہیں آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جس سے خشیت الٰہی کے سبب آنسو نکلے اور دوسری وہ جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات جاگ کر گزاری“ (جامع الترمذی ابواب فضائل الجہاد، حدیث:1639)

اس حدیث میں بہنے کی نسبت آنکھوں کی طرف کی گی ہے، جبکہ آنسو بہتے ہیں، آنکھیں نہیں،

یہ بطور مبالغہ کہا گیا اور اس سے کثرتِ بُکاء کا کنایہ ہے، گویا آنسو اتنے بہائے کہ آنکھیں بھر گئیں۔

بعض روایات میں "خشیۃ اللہ" کی قید بھی مذکور ہے۔ بیہقی نے روایت نقل کی ہے: ففاضت عیناہ من خشیۃ اللہ انسان روتا تو ہے ہی مگر خشیت الٰہی کے سبب رونا ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا، یہ تو مقدر کی بات ہے۔

رونا دو اعتبار سے ہوتا ہے، بعض اوقات بندہ غم اور خوف میں روتا ہے اور بعض اوقات فرط جذبات، شوق اور محبت میں روتا ہے۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یادِ الٰہی میں رونا بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ صفاتِ جلال کا جب غلبہ ہو تو بندہ خوفِ الٰہی سے روتا ہے اور صفاتِ جمال کا جب غلبہ ہو تو بندہ شوقِ الٰہی میں روتا ہے۔

فائدہ! اس حدیث میں "رجل" کا ذکر ہے مگر "رجل" تغلیبا ہے یا اتفاقی ہے، ورنہ ان اوصاف کی حامل خواتین بھی اس فضیلت میں شامل ہیں۔

احکام الحدیث:

(1) قیامت قائم ہوگی۔

(2) عرش الٰہی اور اس کے سائے کا اثبات ہے۔

(3) عدل و انصاف اور عادل حکمران کی فضیلت۔

(4) جوانی میں عبادت کرنا افضل عمل ہے۔

(5) مسجد میں ٹھہرے رہنا افضل ترین عمل ہے۔

(5) کسی سے محبت اور نفرت کا معیار اللہ پاک کی خوشنودی ہے۔

(6) تنہائی میں ذکرِ الٰہی کرنا، جلوت میں ذکر کرنے سے افضل ہے، اور آنسو بہیں تو کرم بالائے کرم ہے۔

(7) کسی بھی گناہ سے بچنا خوفِ الٰہی کے سبب ہو۔

(8) خفیہ صدقہ کرنا، علانیہ صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

(9) بروز حشر عرش کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

حسن و جمال مصطفیٰ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

دانیال سہیل عطاری

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ط اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه

وَعَلٰی اٰلِكَ وَ اَصْحٰبِكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰه

اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ اللّٰه

وَعَلٰی اٰلِكَ وَ اَصْحٰبِكَ یَا نُوْرَ اللّٰه

درودِ پاک کی فضیلت:

حضرت اَبُو المواہِب رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں رَسُوْلُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو دیکھا، حُضُورِ اقدس صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے مجھ سے فرمایا" : قیامت کے دن تم ایک لاکھ بندوں کی شَفاعت کرو گے۔ " میں نے عرض کی : یا رَسُوْلَ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ! میں کیسے اس قابِل ہُوا؟ ارشاد فرمایا " : اس لیے کہ تم مجھ پر دُرُود پڑھ کر اس کا ثواب مجھے نذر کردیتے ہو۔(الطبقات الکبری للشعرانی ،ج2،ص101)

شافعِ روزِ جَزا، تم پہ کروروں دُرُود
دافعِ جُملہ بلا ،تم پہ کروروں دُرُود

لَم یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ
مثلِ تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سرسو ہے
تجھ کو شہ دوسَرا جانا

یعنی یا رَسُولَ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم آپ جیسا تو کبھی نہ دیکھا گیا، نہ آئندہ دیکھا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ جیسا کوئی پیدا ہی نہیں فرمایا، جہانوں کی بادشاہی آپ ہی کو سجتی

ہے،اس لئے ہم نے آپ کو جہانوں کا بادشاہ مان لیا ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسلم کے حُسن وجمال کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اللہ تبارک و تعالی نے تمام حسین و جمیل اشیاء کو پیدا فرما کر پوری کائنات کو حُسن وجمال بخشا اور پھر پوری کائنات کے حسن سے بڑھ کر حضرت سیدنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو حُسن وجمال عطا فرمایا۔ آپ عَلَیْہِ السلام کے حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ جب مصر کی عورتوں نے آپ کو دیکھا ،تو آپ کے حسن میں ایسی خود رفتہ اور گم ہوئیں کہ بے خودی کے عالم میں اُنہوں نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں تک کاٹ ڈالیں۔

اس واقعے کو قرآن کریم نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے : چنانچہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (۳۱)

ترجمہ کنزالایمان: تو جب زلیخا نے ان کا چکروا سناتو ان عورتوں کو بلا بھیجا اوران کے لیے مسندیں تیار کیں اوران میں ہر ایک کو ایک چھری دیدی اور یوسف سے کہا ان پر نکل آؤ جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بولیں اللہ کو پاکی ہے یہ تو جنس بشر سے نہیں یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔(پ 12 سورہ یوسف آیت:31)

صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃُ اللہِ علیہ خزائن العرفان میں اس آیت مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں : کیونکہ اُنہوں نے اس جمال عالم افروز(دنیا کے حسن وجمال کو بڑھانے والے حضرت یوسف علیہ السلام) کے ساتھ نبوت ورسالت کے انوار اور عاجزی و انکساری کے آثار اور شاہانہ ہیبت واقتدار اور لذیذ کھانوں اور خوبصورت چہروں کی طرف سے بے نیازی کی شان دیکھی ،تعجب

میں آگئیں اور آپ کی عظمت و ہیبت دلوں میں بھر گئی اور حسن و جمال نے ایسا وارفتہ کیا کہ ان عورتوں کو خود فراموشی ہو گئی۔ اور (ان کے) دل حضرت یوسف عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃ والسلام کے ساتھ ایسے مشغول ہوئے کہ ہاتھ کاٹنے کی تکلیف کا اصلاً احساس نہ ہوا۔ (خزائن العرفان، ص 447)

سیّد المرسَلین اور حضرت یوسف علیہ السّلام کے حسن میں فرق: علامہ احمد صاوی رحمۃُ اللّٰہِ علیہ فرماتے ہیں" حضرت یوسف عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو حسن کا ایک حصہ عطا کیا گیا تھا اور ان کا حسن ظاہر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حسن کو اپنے جلال کے پردوں میں نہیں چھپایا، اسی لئے آپ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے حسن کا نظارہ کر کے عورتیں فتنے میں مبتلا ہو گئیں جبکہ حبیبِ پروردگار صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو کامل حسن عطا کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے جمال کو اپنے جلال کے پردوں میں چھپا دیا تھا جس کی وجہ سے آپ کا حسنِ کامل دیکھ کر بھی کوئی عورت فتنے میں مبتلا نہ ہوئی یہی وجہ ہے کہ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے سراپا اَقدس کی تفصیلات بڑے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم سے مروی نہیں بلکہ چھوٹے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم سے منقول ہیں کیونکہ بڑے صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم کے دلوں میں آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی ہیبت وجلال اس قدر تھی کہ وہ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی طرف نظر نہ اٹھا سکتے تھے۔

(صاوی، یوسف، تحت الآیۃ: 19، 3 / 948، ملخصًا)

یہ تو حضرت سیدنا یوسف علی نَبِیِّنَاءَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے حُسن کا عالم تھا کہ جنہیں تمام مخلوق سے بڑھ کر حُسن وجمال عطا کیا گیا، تو حسن و جمال کے شاہکار، حبیب پروردگار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے حسن و جمال کا کیا عالم ہو گا، کہ جن کا حُسن حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن وجمال سے بھی بڑھ کر ہے۔

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پر مردانِ عرب

ام المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

فَلَوْ سَمِعُوا فِی مِصْرَ أَوْصَافَ خَدِهٖ
لَمَا بَذَلُوا فِی سَوْمِ یُوْسُفَ مِنْ نَقْدٍ

یعنی اگر آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے رُخسارِ مُبارک کی خوبیاں، اہل مصرسن لیتے تو جناب یوسف علیہ السلام کی قیمت لگانے میں سیم وزر(مال ودولت) نہ بہاتے۔

لَوَاحِی زُلَیْخَا لَوْ رَأَیْنَ جَبِیْنَهُ
لَاثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوبَ عَلَی الْاَیْدِی

یعنی اگر زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں، آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی نورانی پیشانی کی زیارت کر لیتیں،تو ہاتھوں کے بجائے اپنے دل کاٹنے کو ترجیح دیتیں۔(زرقانی علی المواھب، عائشہ ام المومنین ۳۹۰/4)

ترا مسند ناز ہے عرش بریں
ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا
ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

(حدائق بخشش،ص81)

یہ شان محبوبِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ہے کہ رب العالمین نے اپنی لاریب کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں کئی مقامات پر محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی شان بیان کی۔

کسی مقام پر ”یس کہہ کر پکارا ، کسی مقام پر والضحیٰ کہا ، کہیں پر خلق عظیم سے خطاب فرمایا تو کہیں پر المزمل،المدثر سے شان بیان کی اور کہیں پر ذکر محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو ان الفاظ سے بلند کیا۔وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور کہیں پر وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کہہ کر رحمت محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو بیان کیا“

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اس شان سے نہیں پکارا گیا جس شان و شوکت سے رب العالمین نے محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے خطاب فرمایا۔

نبی اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا رخ انور جمال الٰہی کا آئینہ ہے اور اللہ عزوجل کے لامتناہی انوار کا مظہر ہے۔اس لئے اللہ تعالی نے

نبی اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے بدن شریف کی تخلیق نہایت اعلی و اکمل درجہ پر کی ہے۔ آپ کے بدن شریف کا حسن اعتدال اور موزونیت بے مثل اور بے مثال ہے۔ چنانچہ آپ کی مثل آپ سے پہلے اور بعد کوئی آدمی تخلیق نہیں ہوا ہے اس لئے آپ کے مدحت سرا کو کہنا پڑا کہ میں نے آپ سے پہلے اور بعد آپ کی مثل کبھی کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

واحسن منك لم ترقط عين
واجمل منك لم تلد النساء

آپ سے زیادہ حسین کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ جمیل کسی عورت نے جنم نہیں دیا۔

اس قسم کی عبارت سے کہ میں نے فلاں جیسا کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اس کے مثل نہ ہونے میں مبالغہ مقصود ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ میں مبالغہ نہیں ۔ اس لئے کہ وہاں کمال حسن وجمال تعبیر سے باہر ہے۔

حضرت عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک جن اوصاف جمیلہ کے ساتھ متصف ہے کوئی دوسرا ان اوصاف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہیں ہو سکتا اور یہ محض اعتقادی چیز نہیں ہے۔ سیر و احادیث و آپ کے کریمانہ اوصاف، تواریخ کی کتابیں اس سے لبریز ہیں کہ حق تعالی شانہ نے کمال باطنیہ کے ساتھ جمال ظاہری بھی علی الوجہ الاتم عطا فرمایا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شاہ خوباں کے جلوؤں کو دیکھنے کے لئے بے تاب رہتے تھے۔ ایک انصاریہ عورت (جس کا باپ، بھائی اور خاوند جنگ احد میں شہید ہو گئے) نے نہایت بے تابی سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم تو خیریت سے ہیں؟ تو اسے بتایا گیا جس طرح تو چاہتی ہے الحمد للہ خیریت سے ہیں۔ کہا کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور دکھا دیجئے ۔ جو نہی رخ انور کو دیکھا تو کہنے لگی :

کل مصیبة بعدك جلل آپ کے دیدار کے بعد سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔(حسن مصطفیٰ ،ص14از حبیب اللہ اویسی)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں : لم یظهر لنا تمام حسنه صلی الله علیه وسلم لانه لو ظهر تمام حسنه لما اطاقت اعیننا رویته صلی الله علیه وسلم

ہمیں نبی اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا سارا حسن وجمال نہیں دکھایا گیا اگر آپ کا پورا پورا حسن وجمال ظاہر کر دیا جاتا تو ہماری نگاہیں تاب حسن نہ لاتیں اور خیرہ ہو جاتیں۔(حسن مصطفیٰ ،ص16 ایضاً)

اک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

حضرت محمد البوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اعیا الوری فهم معناه فلیس یری
للقرب والبعد منه غیر منفحم

آپ کی حقیقت کی معرفت نے خلقت کو عاجز کر دیا ہے پس قرب وبعد دونوں حالتوں میں بجز عجز کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

کالشمس تظهر للعین من بعد
صغیرة وتکل الطرف من امم

مثل آفتاب کے جو آنکھوں کو دور سے چھوٹا دکھائی دیتا ہے اور نزدیک سے آنکھ کو چندھیا دیتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں !

جمیل المحیا ابیض الوجه ربعة
جلیل کرادیس ازج الحواجب

ترجمہ:خوش رو گوری رنگت، میانہ قامت، چوڑے شانے ومفاصل اور گھنے ابرو والے۔

صبیح ملیح ادعج العینین اشکل
فصیح له الاعجام لیس بشائب

ترجمہ :خوش رنگ ، چہرے پر ملاحت ، کشادہ چشم ، خندہ جبیں وزبان کے فصیح جس میں لکنت یا عجز بیانی کا شائبہ تک بھی نہیں۔

واحسن خلق الله خلقا وخلقة
وانفعهم للناس عند النوائب

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حسن وصورت اور حسن سیرت دونوں اعتبار سے کامل ترین فرد

اور مصائب کے وقت لوگوں کیلئے سب سے زیادہ نفع بخش اور کار آمد۔

واجود خلق اللہ صدرا ونائلا
وأبسطهم كفا على كل طالب

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ سخی اور کشادہ صدر، دل کے بڑے اور ہر مانگنے والے کے لئے ان کے ہاتھ کشادہ اور جود وسخا کا سر چشمہ۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں مدحت سرائی کرتے ہیں:

روحی الفداء لمن اخلاقه شهدت
بأنه خير مولد من البشر

میری روح قربان ہو اس ذات اقدس پر جس کے اخلاق اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں سب سے بہتر فرد ہیں۔

عمت فضائله كل العباد كما
عم البرية ضوء الشمس والقمر

اس جود وسخا کی پیکر ذات اقدس کے احسان ساری مخلوق کے لئے عام ہیں۔ جس طرح چاند اور سورج کی روشنی ساری دنیا کے لئے عام ہے۔

لو لم تكن فيه آيات مبينة
كانت بديهته تنبئك بالخبر

اگر ذات گرامی میں دوسری روشن دلیلیں نہ بھی ہوتیں تو خود آپ کا رخ زیبا تم کو حقیقت سے آگاہ کر دیتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس وجها واحسنهم خلقاً (شمائل ترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں حسین و جمیل چہرے والے تھے اور ان سب میں سے زیادہ حسین خلق والے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ما رأيت شيئًا احسن من رسول الله صلى الله عليه وسلم كأن الشمس تجرى فى وجهه میں نے کسی شئے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین و جمیل نہیں دیکھا۔ گویا آفتاب آپ کے چہرہ انور میں چلتا ہے۔ یعنی

رخ انور اس قدر صاف و شفاف تھا کہ آفتاب کا عکس نظر آتا تھا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آفتاب کا اپنے فلق میں جریان کو آپ کے رخ انور میں حسن کے جریان کو تشبیہ دی ہے ۔ما رأیت شیئا کہا انسان یا رجلا نہیں کہا اس میں زیادہ مبالغہ ہے کہ آپ کی خوبی و حسن تمام اشیاء سے فائق اور اعلیٰ ہے۔حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخما مفخماً یتلألأ وجهه تلألؤ القمر لیلة البدر (شمائل ترمذی)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے۔ آپ کا چہرہ اقدس ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا۔

محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا مختصر حلیہ مبارک بیان کرتے ہیں:

چہرہ مبارک :

حُضُورِ اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا چہرہ مبارک، جمالِ الٰہی کا آئینہ اور انوار و تجلیات کا مظہر تھا، پُر گوشت اور کسی قدر گول تھا۔ اس روئے مُبارک کو حضرت عبد اللہ بن سلام رَضِیَ اللہ تعالی عنہ دیکھتے ہی پکار اٹھے تھے : وَجْهُهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ان کا چہرہ دروغ گو (یعنی جھوٹے) کا چہرہ نہیں اور ایمان لائے تھے۔(مشکاۃ المصابیح، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقہ ،ج1، ص362، حدیث 1907)

تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا
تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا
ترے خالق حسن و ادا کی قسم

چشمان مبارک :

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی مُبارک آنکھیں بڑی اور قدرت الٰہی سے سرگیں (سرمہ والی)اور پلکیں دراز تھیں۔ آنکھوں کی سفیدی میں باریک سرخ ڈورے تھے۔ پچھلی کتابوں میں یہ بھی آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی ایک علامت نبوت تھی۔

سرگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں
غزال ہے فضائے لامکاں تک جن کا رَمنا نور کا

آبروئے مبارک:

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بھویں دراز اور باریک تھیں اور درمیان میں دونوں اس قدر متصل تھیں کہ دور سے ملی ہوئی معلوم ہوتیں۔

(الشمائل المحمدیہ ،باب ماجا فی خلق رسول اللہ، ص32)

جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

بنِی مبارک:

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بنی یعنی ناک مُبارک خوبصورت اور دراز تھی اور درمیان میں اُبھراؤ نمایاں تھا اور ناک کی ہڈی پر ایک نور درخشاں تھا۔ جو شخص بغور نہ دیکھتا تو اسے معلوم ہوتا کہ بلند ہے، حالانکہ بلند نہ تھی۔ بلندی تو وہ نور تھا جو اسے گھیرے ہوئے تھا۔ (الشمائل المحمدیہ للترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ، ص22 حدیث 7 ملتقطا)

بنِیِ پُرنُور پر رخشاں ہے بُکّہ نور کا
ہے لواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا

پیشانی مبارک :

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی پیشانی مُبارک کُشادہ تھی اور چراغ کی مانند چمکتی تھی۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

مَتَی یَبْدُ فِی اللَّیْلِ الْبَھِیمِ جَبِینُهُ
بَلَجَ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقِّدِ

یعنی جب اندھیری رات میں آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی پیشانی ظاہر ہوتی تو، تاریکی کے روشن چراغ کی مانند چمکتی۔ (شرح الزرقانی علی المواہب 5/ 278)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام

کان مبارک :

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے دونوں کان مُبارک کامل وتام تھے۔ قُوتِ بصارت کی طرح اللہ عزوجل نے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو قُوتِ سماعت بھی کمال کی عطا فرمائی تھی۔ اس لیے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُم سے فرماتے کہ میں جو دیکھتا ہوں، تم نہیں دیکھ سکتے اور جو میں سنتا ہوں، تم

نہیں سن سکتے ، میں تو آسمان کی آواز بھی سن لیتا ہوں۔(الخصائص الکبری للسیوطی ،ج1،ص113)

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام
(حدائق بخشش)

دہن مبارک :

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا مُنہ مُبارَک فَراخ، رُخسار مبارک ہموار، سامنے کے دانت مبارک کُشادہ اور روشن و تاباں تھے ،جب آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کلام فرماتے،تو ان سے نور نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :جب آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم مسکراتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔ (الخصائص الکبری للسیوطی ،ج1،ص127)

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
(حدائق بخشش)

زبان مبارک :

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم مخلوق میں سب سے زیادہ فصاحت والے تھے ، آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا کلام ایسا واضح ہوتا کہ پاس بیٹھنے والا اسے یاد کر لیتا۔ (الشمائل المحمد یہ الترمذی، حدیث 213،ص134)

حضرت اُمِ مَعْبَد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم خاموش ہوتے تو پر وقار ہوتے اور جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پر نور اور بارونق ہوتا، نہایت ہی شیریں گفتار فرماتے اور گفتگو بہت واضح ہوتی،جو نہ تو بے فائدہ تھی اور نہ ہی بیہودہ۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،ج4،ص514)

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بیحد درود
اس کی دِلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام

دست مبارک :

کفِ دست (ہتھیلیاں) اور بازو مبارک پُر گوشت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ریشمی کپڑے کو آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے کفِ مُبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا اور نہ کسی خوشبو کو آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی خُوشبُو سے بڑھ کر پایا۔(صحیح بخاری، کتاب المناقب،ج2،ص489 حدیث :3561)

جس شخص سے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم مُصافحہ کرتے، وہ دن بھر اپنے ہاتھ میں خوشبو پاتا اور جس بچہ کے سر پر آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنا دستِ مُبارک رکھ دیتے، وہ خوشبو میں دوسرے بچوں سے ممتاز ہوتا۔(سیرت رسول عربی،ص263)

جن کو سوئے آسماں
پھیلا کے جل تھل بھر دیئے
صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے
ہم کو بھی درکار ہے
(حدائق بخشش)

پاؤں مبارک:

دونوں پاؤں مبارک پُر گوشت اور خوبصورت ایسے کہ کسی کے نہ تھے اور نرم و صاف ایسے کہ ان پر پانی ذرا بھی نہ ٹھہرتا، بلکہ فورا بہہ جاتا ۔(سیرت رسول عربی ،ص276)

حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم جب پتھر پر چلتے تو وہ نرم ہو جاتا، تا کہ آپ باآسانی اس پر سے گزر جائیں اورجب ریت پر چلتے تواس میں پائے مبارک کا نشان نہ ہوتا۔(سیرت رسول عربی،ص277)

گورے گورے پاؤں چمکا دوخُدا کے واسطے
نور کا تڑکا ہو پیارے گور کی شب تار ہے

موئے مبارک :

سر مبارک کے بال نہ تو بہت گھنگریالے تھے اور ہی نہ بہت سیدھے بلکہ دونوں کے درمیان تھے۔ داڑھی مبارک گھنی تھی، اسے کنگھی کرتے اور آئینہ دیکھتے اور سونے سے پہلے آنکھوں میں تین، تین ۳،۳ بار سرمہ ڈالتے۔ مونچھ مُبارک کو کٹوایا کرتے اور فرماتے تھے کہ : مشرکین کی مخالفت کرو۔ یعنی داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست رکھو۔(مشکاۃ المصابیح، کتاب اللباس،باب الترجل،ج2، ص487، حدیث 4421)

ہم سیہ کاروں پر یارب تپش محشر میں سایہ
افگن ہوں تیرے پیارے کے پیارے گیسو
(حدائق بخشش)

مختصر سا حلیہ مبارک ذکر کیا گیا مفصل شان محبوبی کو بیان کرنے کیلئے کئی زمانے درکار ہیں کیوں کہ جیسے رب العالمین یکتا ہے ویسے ہی رب العالمین کے محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بھی یکتا ہیں ان سا نہ کوئی تھا نہ ہے نہ ہو گا رب العالمین ہمیں محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی سیرت پڑھنے آپ کی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

سیرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی چند جھلکیاں

از: مولانا محمد شاہد علی اشرفی فیضانی
باسنی (ناگور راجستھان انڈیا)

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفاتِ ظاہری کے بعد آپ کے صحابہ نے دین محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو نمایاں طور پر خدمات سرانجام دیں آج کے اس دور میں دور دور تک اس کی مثال دیکھنے کو نہیں ملتی۔ صحابہ کرام نے دین محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شجر اسلام کی آبیاری کے لیے اپنا تن 'من 'دھن سب کچھ قربان کرکے اسلام کو مضبوط و مستحکم بنایا۔ اس شجر اسلام کی آبیاری اور اسے پروان چڑھانے میں سب سے زیادہ حصہ امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر صحابی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اور کیوں نہ ہو ؟ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ان کے بارے میں فرمایا: میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں تم ان میں سے جن کی بھی اتباع کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔

صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں ہر صحابی کا کارنامہ بے مثل و بے مثال ہے۔

رب تعالی عزوجل کے فضل و کرم سے مجھے آج اس ذات گرامی کا ذکر خیر کرنے کا موقع ملا ہے کہ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ (ترمذی شریف ،کتاب المناقب، ص:۳۸۵)

سید نا فاروق اعظم رضی اللہُ عنہ کے فضائل احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

امیر المومنین حضرت سیدنا عمرفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بے حساب فضائل ومناقب احادیث نبوی میں آئے ہیں ان میں سے کچھ فضائل کا تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سیدنا جبریل امین علیہ السّلام بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

لوجلست معك مثل ما جلس نوح في قومه ما بلغت فضائل عمر وليبكين الاسلام بعد موتك يا محمد على عمر

یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر اتنی دیر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کروں جتنا حضرت سیدنا نوح علیہ السّلام اپنی قوم میں حیات رہے (یعنی نوسو پچاس سال) تب بھی حضرت عمر کے فضائل نہ بیان کر سکوں اور یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسلام آپ کے وصال ظاہری کے بعد حضرت عمر کی وفات پر ضرور روئے گا ۔(فیضان فاروق اعظم:ص'۳٦۱مطبوعہ دعوت اسلامی)

بارگاہ نبوت میں فاروق اعظم رضی اللہُ عنہ کا مقام:

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب امیر المومنین حضرت سیدنا عمرفاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں قحط پڑا تو ایک شخص رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ :یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کی بارگاہ سے امت کے لیے بارش مانگیں لوگ ہلاک ہوئے جاتے ہیں رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا :تم عمر کے پاس جاؤاور کہو کہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش مانگیں یقینا بادل برسے گا اور عمر سے یہ بھی کہو کہ دور اندیشی سے کام لیں ۔اس شخص نے بارگاہ فاروقی میں حاضر ہوکر ساراخواب بیان کردیا ۔خواب سن کرآپ بہت روئے اور فرمایا:اے

اللہ میں نے عذر کے بغیر تیرے احکام کی بجا آوری میں کبھی کمی نہیں چھوڑی ۔(مصنف ابن ابی شیبہ 'کتاب الفضاءل فی فضل عمر؛ج۷ص۴۸۲)

نامہ اعمال سب سے پہلے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیا جائے گا:

حضرت سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ روز قیامت سب لوگ جمع ہوں گے ۔عمر بن خطاب ایک جگہ کھڑے ہوں گے ،ان کے پاس کوئی چیز آئے گی جو ان کی ہم شکل ہو گی اور کہے گی: اے عمر اللہ عزوجل آپ کو میری طرف سے بہتر جزاعطا فرمائے ۔وہ پوچھیں گے تم کون ہو؟

وہ کہے گی میں اسلام ہوں ۔اے عمر اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر جزا دے ۔اس کے بعد ندا آئے گی :خبر دار!عمر بن خطاب سے پہلے کسی کو نامہ اعمال نہ دیا جائے ، چنانچہ

آپ کو سیدھے ہاتھ میں نامہ اعمال دے کر جنت کی طرف روانہ کردیا جائے گا ۔شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان جنت نشان سن کر امیر المومنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت روئے اور اپنے سارے غلام آزاد کردیے ۔(فیضان فاروق اعظم: ص،۳٦۵،مطبوعہ دعوت اسلامی)

سید نا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے جنت کی بشارت:

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

یطلع علیکم رجل من اھل الجنت فاطلع عمر:

یعنی تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا توحضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے ۔(ترمذی شریف :کتاب المناقب،ص:۳۸۸)

حضرت سیدنا زید بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا :

انت معی فی الجنۃ ثالث ثلاثۃ من ھذہ الامۃ !

یعنی اے عمر تم جنت میں میرے ساتھ تین میں سے تیسرے نمبر پر ہوگے۔(یعنی دائیں طرف

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بائیں طرف آپ) (فیضان فاروق اعظم:ص،۳۶۷)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دوعالم کے مالک و مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمر بن الخطاب من اهل الجنة ۔یعنی عمر بن خطاب جنتی ہیں ۔(صحیح ابن حبان باب مناقب الصحابہ ، ج۶:ص۱۸)

محترم قارئین !ان تمام تر روایات سے آپ بخوبی اندازہ لگاسکتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اللہ ورسول کی بارگاہ میں کس قدر مرتبہ ومقام ہے۔اللہ پاک نے آپ کو بے پناہ خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا ۔آپ کے نام سے شیطان بھی کانپتا ہے ،آج بھی آپ کے نام میں وہ تاثیر ہے کہ جس جگہ بھی آپ کا نام مبارک لے لیا جاتا ہے اس جگہ سے شیطان راہ فرار اختیار کرجاتاہے۔اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ اگر رات میں کوئی برے خواب سے پریشان ہو تو اسے چاہیے کہ وہ رات میں سوتے وقت اپنے سینے پر آپ کا نام مبارک لکھ کر سوجائے تو ان شاءاللہ تعالیٰ شیطانی وساوس سے اس کی حفاظت ہو گی۔آپ اپنوں کے لیے رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ اور دشمنان اسلام کے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی عملی تفسیر تھے۔بڑے سخی ،رحم دل، عاشق رسول اور خداترس،عاجزی وانکساری کے پیکر اور متبع سنت تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عبادت وریاضت:

نماز وہ عظیم الشان عبادت ہے کہ اسلام میں اسے دین کا ستون کہا گیا ہے ۔آپ نماز کو اس قدر سکون واطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرماتے کہ آپ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوجاتے ، آپ نماز میں تلاوت قرآن کے دوران اس قدر روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں اورآنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے بہہ جاتے ۔نماز کے علاوہ دیگر عبادات روزہ اور تلاوتِ قرآنِ پاک بھی کثرت سے کرتے ۔ذیل کی سطور میں آپ کی عبادت وریاضت کے حوالے سے چند باتیں ملا حظہ فرمایئے ۔

روایت ہے کہ آپ کے صاحبزادے حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی تو میں نے تین صفوں کے پیچھے سے آپ کے رونے کی آواز سنی ۔(فیضان فاروق اعظم،ج۲)

امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سب سے اہم کام نماز تھا ۔چنانچہ امام بخاری وامام مسلم وامام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین نے حضرت سیدنا نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صوبوں کے گورنروں کے پاس فرمان بھیجا کہ تمہارے سب کاموں سے اہم میرے نزدیک نماز ہے ۔جس نے اس کی محافظت کی اس نے اپنا دین محفوظ رکھا اور جس نے اسے ضائع کیا وہ اوروں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کرے گا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے بڑے پابند تھے ، ایک مرتبہ آپ کو امور خلافت میں مشغولیت کے سبب نماز مغرب میں تاخیر ہوگئی تو آپ نے اس کے کفارے میں دوغلام آزاد فرمائے ۔(فیضان فاروق اعظم)

سبحان اللہ !محترم قارئین " دیکھا آپ نے کہ امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز کی کس قدر فکر لاحق ہوئی کہ ذرا سی نماز میں تاخیر ہوگئی تو آپ نے اس کے بدلے میں دوغلام آزاد کردیے ۔اور ایک ہم ہیں کہ چلتے پھرتے ہی نماز قضاء کردیتے ہیں مگر ہمیں اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا ۔ہمیں اپنے بزرگوں کی سیرت پڑھ کر اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت سیدنا حرشہ بن حر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صبح نماز فجر ادا کرلیتے اور پھر سفر شروع کرتے ، پھر جو بھی نمازیں آتیں انہیں سفر میں ادا فرماتے ۔(ایضاً ، ص:۶۱)

سبحان اللہ !محترم قارئین دیکھا آپ نے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز کی ادائیگی

کی کس طرح فکر رہتی تھی کہ آپ اپنا سفر بھی نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد ہی شروع فرماتے اوراگر بقیہ نمازوں کا وقت بھی سفر میں آجاتا تو آپ انہیں سفر میں بھی ان کے اوقات میں ہی ادا فرماتے ،نماز کے معاملے میں کبھی بھی آپ سستی نہیں کرتے۔اور آج ہم میں سے اکثر وبیشتر لوگ سفر میں نماز نہیں پڑھتے ،الا ماشاء اللہ۔

اللہ ہم سب کو سفر وحضر ہر جگہ نماز کو پابندی سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

حضرت عمر رضی اللہُ عنہ کی روزوں سے محبت:

حضرت سیدنا عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر روزے رکھتے تھے ۔حضرت سید نا اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں :کان عمربن الخطاب رضوان اللہ علیہ یصوم الدھر ،، یعنی امیر المومنین سیدنا عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ روزے رکھتے تھے ۔

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمررضی اللہ عنہ سے روایت ہے :کان یسرد الصیام قبل ان یموت بسنتین الایوم الاضحی ویوم الفطر وفی السفر یعنی امیرالمومنین حضرت سیدنا عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وصال سے قبل عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر اورسفر کے علاوہ مسلسل دوسال تک روزے رکھے۔(کنزالعمال ،کتاب الصوم،ج۴ ،ص:۲۸۳)

سید نا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان سخاوت:

آپ کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک وصف جمیل سخاوت بھی ہے۔آپ بڑے سخی تھے ، آپ کی سخاوت کی دنیا مثالیں دیتی ہے۔

آیئے !آپ کی شان سخاوت کے حوالے سے کچھ تذکرہ کرلیا جائے ، تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی آپ کے اس وصف مبارک سے پڑھ کر نصیحت حاصل ہو۔

امیر المومنین حضرت سیدنا عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے سخی تھے کہ راہ خدا میں اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ چیزیں بھی خرچ کردیا کرتے تھے۔چنانچہ

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں :میرے والد

گرامی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں خیبر کی کچھ زمین آئی تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ خیبر کی زمین میرے حصّے میں آئی ہے اوراس سے نفیس مال مجھے کبھی نہیں ملا، آپ ارشاد فرمائیں کہ میں اس زمین کا کیا کروں ؟

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:اے عمر اگر تم چاہو تو اسے اپنی ملکیت ہی میں رکھو ،اوراس کے منافع راہ خدا میں صدقہ کردو ، چنانچہ

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمین کو ایسے صدقہ کیا کہ نہ تواس کو بیچا جائے گا نہ ہی ہبہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی بلکہ اس کی آمدنی کو فقراء، غریب رشتے داروں ، مسافر وں ، مہمانوں اورراہ خدا میں خرچ کیا جائے گا اوراس کے متولی کو اجازت ہے کہ اس میں سے اپنی ذات یا دوستوں پر جائز طریقے سے خرچ کرے۔

(بخاری شریف ، کتاب الوصایا ،ج۲ص:۲۴۴)

اسی طرز کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجیے !

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ عطا فرمایا تو آپ نے عرض کی : یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ یہ چیز کسی ایسے شخص کو عطا فرمادیں جو مجھ سے زیادہ اس چیز کا حاجت مند ہو ،تورسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :اے عمر اسے لے لو، آگے تمہاری مرضی اپنے پاس رکھو یا اسے صدقہ کردو ۔اے عمر اگر تمہارے پاس ایسا مال آئے جوتم نے طلب نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کی چاہت ہوتو اسے رکھ لیا کرواور جو نہ ملے اس کی طلب نہ کرو۔(مسلم شریف :ص، ۵۲۰)

سبحان اللہ !خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا کیسا سچا جذبہ تھا۔ دنیا سے بے رغبتی اس قدر کہ آپ کو کسی طرح کے دنیوی مال ودولت کی

حرص نہ تھی ۔جیسا کہ آپ نے مذکورہ بالا روایات میں پڑھا۔

فاروق اعظم کا زہد وقناعت اور تواضع :

زہدوقناعت ایک ایسا وصف ہے کہ جو ہر کسی کو نہیں ملتا، یہ تو اسی کو نصیب ہوتا ہے جس پر خدا کا خاص کرم ہو تا ہے ۔آپ زہدوقناعت کے معاملے میں اپنے ہم عصر لوگوں سے بہت آگے تھے ۔اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد سے ایک مدت تک آپ نے بیت المال سے کچھ نہ لیا ،جب لوگوں نے آپ کے گزر اوقات کے لیے تنخواہ مقرر کرنی چاہی تو فرمایا اس شرط پر منظور کرتا ہوں کہ جب میری حالت درست ہو جائے گی لینا بند کردوں گا۔کنبہ بڑا ہونے کے باوجود روزانہ بیت المال سے دودرہم لیا کرتے تنگی وعشرت سے زندگی بسر کر تے کپڑوں پر کثیر پیوندلگے ہوتے ۔

عموماً ایک ہی کپڑا ہوتا جسے خود ہی دھو کر دوبارہ پہنتے ، آپ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑوں سے مس نہیں ہوا بارہ بارہ پیوند لگے ہوتے ،سر پر پھٹا ہوا عمامہ پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہو تی تھیں اسی حالت میں وہ قیصر وکسری کے سفیروں سے ملتے ، اقلیم زہد وقناعت کے تاجدار کو دنیوی عیش وتنعم سے کوئی علاقہ نہ تھا ،غذا سادہ تھی عموماً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا ۔(خلفاء راشدین : ص۳۲۹)

آپ کی تواضع اورخاک ساری کا یہ عالم تھا کہ مسجد کے گوشہ میں فرش خاک پر بے تکلف لیٹے رہتے، سرہانے سنگریزوں سے بھری ہوئی تھیلی کا تکیہ ہوتا ، اپنے وقت میں دنیا کی سب سے بڑی حکومت کا تاجدار، مدینہ منورہ کے مجاہدین کی بیویوں کا سوداباز ار سے خرید کرلاتے ، دوش مبارک پرمشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لیے پانی بھرتے ،سفر میں شاہانہ کروفر ہوتا،عام مسافروں کی طرح چند آدمی رفیق سفر ہوتے،فرشِ خاک بستر ہوتا ، درخت کا سایہ شامیانہ ،سفرشام میں جب لوگوں نے بیش قیمت لباس اور عمدہ گھوڑے پیش کیے اور

کہا عیسائیوں کے سامنے معمولی حالت میں جانا اچھا نہیں ،ارشاد فرمایا خدا نے ہمیں جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے ۔

آپ کی رقت قلب کا یہ عالم تھا کہ کسی کی تکلیف نہ دیکھ سکتے تھے ۔آپ نے غرباء ومساکین کے وظیفے مقرر کردیے تھے ،مسلمان تومسلمان غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ آپ کے لطف وکرم کا برتاؤ مثالی تھا ،ان کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے ۔

لوگوں کی خطاؤں پر عفو و درگزر سے کام لیا کرتے تھے ۔ عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتے،فرق و امتیاز کی کوئی علامت نہ رکھتے۔ اسی لیے جب ایران وروم کے سفراءووفود آتے تو انہیں امیرالمومنین کا پتہ لگانا دشوار ہو جاتا کہ ان مسلمانوں میں کون ان کا امیر ہے ۔بڑے غیور انسان تھے ۔ (خلفاء راشدین)

سبحان اللہ !کیا شان تھی امیرالمومنین کی کہ اتنے بڑے شخص ہوکر بھی آپ نے اس قدر سادگی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی جس کی مثال آج کے دور میں ملنا ناممکن ہے ۔یقینا آپ نے اپنی پوری زندگی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سادگی کے ساتھ گزاری ۔

امیرالمومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہُ عنہ کے عظیم کارنامے:

ان کی فہرست حسب ذیل ہے :

سب سے پہلے آپ ہی نے بیت المال قائم کیا، عدالتوں کا قیام ،قاضیوں کا تقرر، تاریخ وسنہ ہجری کااجراء ،امیر الموءمنین کا لقب ،زمین کی پیمائش ، نہروں کااجراء ،شہروں کی آبادکاری ، ممالک مفتوحہ کو ضلعوں اورصوبوں میں تقسیم کرنا،مردم شماری ، دفتروں کا قیام ، مجرموں کے لیے جیل خانہ قائم کرنا، راتوں میں گشت کرکے رعایا کا حال معلوم کرنا ، محکمہ پولیس کا قیام ، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے لیے سرائیں اور کنویں تعمیر کروائے، باجماعت نمازتراویح کانظام ، قیام مکاتب و معلمین کے مشاہروں کا تعین ،فجر کی

اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ ،شراب کی حد ۸۰ درے مقرر کی ۔(خلفاء راشدین)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے امور آپ نے انجام دیئے۔

آپ بہت بڑے متقی پرہیزگار تھے ،آپ کاہر قول و فعل اور عمل عین سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق ہوا کرتا تھا۔

آیئے اس پر بھی ذراکچھ روشنی ڈال دی جائے تاکہ تحریر کو پڑھنے کا مزید لطف حاصل ہو ۔

آپ کے چلنے کاانداز بڑا نرالہ تھا ،جب آپ چلتے تھے تو ایسا لگتا گویا کہ آپ کسی سواری پرسوار ہیں اورلوگ پیدل چل رہے ہیں۔آپ کی خوراک نہایت ہی قلیل اورسادہ ہوتی تھی کبھی جو کی روٹی کے ساتھ زیتون ،کبھی دودھ کبھی سرکہ کبھی سکھایا ہوا گوشت تناول فرماتے تازہ گوشت بہت ہی کم استعمال کرتے تھے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد تو آپ ایسی خشک روٹی کھایا کرتے تھے کہ عام لوگ اسے کھانے سے عاجز آجائیں نیز کھانا کھاتے ہوئےروٹی کے کنارے کو علیحدہ کرکے کھانا آپ کو سخت ناپسند تھا۔

آپ کے بولنے اوربات کرنے کاانداز نہایت ہی پیارا تھا ،آپ کی گفتگو کاانداز بہت نرم تھا۔آپ کے بیٹھنے کاانداز یہ تھا کہ عموماً چار زانوں بیٹھا کرتے تھے ۔جب لیٹتے تو ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر چڑھا لیا کرتے تھے۔آپ کے لباس میں بھی سادگی تھی امیرالمومنین ہونے کے باوجود آپ نے کبھی شاہانہ لباس کو ترجیح نہ دی ہمیشہ سادہ لباس ہی پہنا ۔

آپ صرف ایک جبہ پہنا کرتے تھے اور اس میں بھی جگہ جگہ پیوند لگے ہوتے تھے کہیں کہیں اُس میں چمڑے کا بھی پیوند لگا ہوتا۔

ہمیشہ آپ پر فکر آخرت غالب رہتی ، کبھی کھل کھلا کر نہ ہنستے ،جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے توبسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسکراہٹ ہو جاتی تھی۔(فیضان فاروق اعظم :جلداول)

اب میں اپنی تحریر کو طوالت کے خوف سے یہیں پر اختتام پذیر کرتاہوں۔صرف آپ کی شہادت عظمہ کے حوالے سے کچھ تذکرہ کرلیا جائے۔

امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت مبارک:

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی :

اللھم ارزقنا شھادۃً فی سبیلك واجعل موتی فی بلد رسولك

اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطافرما اور اپنے رسول کے شہر میں مجھے موت نصیب فرما۔

آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اورابولؤلؤ نامی ایک غلام نے آپ کے قتل کا پختہ ارادہ کرلیا۔اس نے ایک خنجر پر دھار لگائی اوراس کو زہر میں بجھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے گیے آپ کا طریقہ تھا کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ صفیں سیدھی کرلو یہ سن کر ابولؤلؤغلام آپ کے بالکل قریب صف میں آکر کھڑا ہو گیا اور پھر آپ کے کندھے اورپہلو پر خنجر سے دو وارکیا جس سے آپ زخمی ہو کرگر پڑے ۔

بالآخر۲۶ذی الحجہ ۲۳ھجری بدھ کے دن آپ زخمی ہوئےاور تین دن بعددس برس چھ ماہ چاردن امور خلافت کو انجام دے کر ۶۳سال کی عمر میں ۲۸ذی الحجہ کو آپ نے وفات پائی ۔(خطبات محرم)

انا للہ وانا الیہ راجعون

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
ترجمان نبی ہم زبان نبی
جان شان عدالت پہ لاکھوں سلام

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امیرالمومنین حضرت سیدنا عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاکیزہ سیرت پڑھ کر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

خلافتِ فاروقی کا نظام اور فتوحات

از: مولانا اکرام رضا مدنی

خلافت راشدہ تاریخ اسلام کا روشن ترین باب ہے:

نبی کریم صلَّی اللہ علیہ والٖہ وسلَّم کے وصال ظاہری کے بعد، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کو ایک تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا انتہا درجے کا صدمہ پہنچا اور ساتھ ہی ساتھ ایک اور سخت آزمائش یہ بھی آن پہنچی کہ منکرین زکوۃ، فتنہ ارتداد، اور انکار ختم نبوت جیسے فتنوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔

فراق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم صدمے کے بعد صحابہ کرام کی کیفیات نا قابل بیان ہیں وہ عشاق کہ جن کے جینے کا مقصد دیدار مصطفی ہو، اور جو مصطفی کریم کا آنکھوں سے اوجھل ہونا برداشت نہ کر پاتے ہوں ان نفوس قدسیہ کے لیے یہ لمحات کسی قیامت سے کم نہ تھے

بھول جاتے تھے صحابہ غم و آلام اپنے
دیکھ لیتے تھے جو سرکار ﷺ کو آتے جاتے

ان مشکل حالات سے نپٹنے کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عظیم ہستی کی تربیت فرما کر منتخب کر رکھا تھا وہ ہستی "امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ" تھیں

آپ نے ان نازک لمحات میں جس کمال ہمت اور استقامت سے حالات کو اپنے قابو میں کیا بلاشبہ یہ امت میں سے آپ کا ہی خاصہ ہے۔

خلافت فاروقی پر اجماع صحابہ:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد فاروق اعظم کو بطور خلیفہ منتخب کرنے کا فیصلہ کیا جس پر

تمام صحابہ کرام مطمئن رہے اور معاملہ آپ کے سپرد کردیا۔

چنانچہ امام شرف الدین نووی علیہ رحمۃ اللہ شرح صحیح مسلم شریف میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت پر اجماع صحابہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعُوا عَلَى اخْتِيَارِ أَبِي بَكْرٍ وَعَلَى تَنْفِيذِ عَهْدِهِ إِلَى عُمَرَ وَعَلَى تَنْفِيذِ عَهْدِ عُمَرَ بِالشُّورَى وَلَمْ يُخَالِفْ فِي شَيْءٍ مِنْ هَذَا أَحَدٌ۔

ترجمہ: حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جسِ عہدنامے کا نفاذ فرمایا تھا اس پر تمام صحابہ کرام عَلَيْهِمُ الرضوان متفق تھے۔(المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، جلد12، ص206)

خلافت فاروقی:

یوں صدیق اکبر کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے جس ہستی کی قوت و ایمانداری اور امانت داری پر اتفاق کرتے ہوئے متفقہ خلیفہ مان لیا وہ ہستی "فارق حق وباطل سیدنا عمر فاروق اعظم" ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے سیرت مصطفی پر عمل کرتے ہوئے عدل، انصاف، زہد و تقوی، بصیرت و دانش، ہمت و شجاعت، جرأت و استقامت، دیانت و امانت اور ذہانت و طباعی کے ذریعے وہ باکمال کارنامے سرانجام دیے کہ جن کا اعتراف اپنوں کے ساتھ غیروں نے بھی دل و جان سے کیا ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاہ کار رسالت، عطائے خدا اور مراد مصطفی ہیں۔ کہ جنہیں خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ فراست نے ایسا چنا کہ عمر بن خطاب سے فاروق اعظم بن کر عظمت و رفعت کے آسماں پر ایسے چمکے کہ ابد الآباد تک ان کی ضُو افشانیاں باقی رہیں گی۔ آپ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے دنیائے کفر و شرک میں صف ماتم بچھ گئی تھی اور اسلام کی شان و شوکت کے عہد کا آغاز ہوا تھا۔

دعائے مصطفی کی برکت سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام جس طرح مسلمانوں کے لئے وجہ عزت بنا اسی طرح ان کی خلافت بھی مسلمانوں کے لئے وجہ شرف بنی۔ عہد فاروقی میں

اسلام کو وہ شان و شوکت ملی کہ مسلمان ایک ناقابل تسخیر قوت بن گئے۔

خلافت کے بعد منبر رسول پر جلوہ آرائی:

امام محب اللہ طبری لکھتے ہیں کہ علامہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: "منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا نیا کام یہ تھا کہ آپ رَضِی اللہ تعالیٰ عنہ منبر کی اس سیڑھی پر تشریف فرما ہوئے جہاں خلیفہ رسول اللہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدمین مبارک ہوتے تھے یعنی نیچے سے پہلی سیڑھی پر بیٹھے اور قدم زمین پر لٹکا دیئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ:

اگر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ وہیں تشریف فرما ہوتے جہاں امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہوتے تھے تو زیادہ بہتر تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا: "حَسْبِيْ أَنْ يَكُوْنَ مَجْلِسِي حَيْثُ كَانَتْ تَكُوْنُ قَدَمَا أَبِي بَكْرٍ" کہ میرے لیے یہی بہت بڑی سعادت ہے کہ مجھے بیٹھنے کے لیے وہ جگہ ملے جہاں امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدمین مبارکہ ہوتے تھے۔

(ریاض النضرۃ، ج1، ص315)

آپ کا دور خلافت میں عدل و انصاف کا قیام، ظلم و زیادتی کی روک تھام، اصلاح امت کی کوشش، تحفظ جان و مال کے اعتبار سے ایک سہانا دور تھا۔

حضرت سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: " خدا کی قسم! امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو ہم سے کیے گئے تمام وعدوں کو پورا کر دیا۔ (فیضان فاروق اعظم جلد2، ص40)

خلافت فاروقی اور شورائی نظام:

امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے ہوئے اپنی خلافت کی بنیاد شورائی نظام پر ہی رکھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی پر اپنا حکم مسلط نہ کرتے بلکہ چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی مشاورت ہی کو ترجیح دیتے، خصوصاً کسی نئے پیش آمدہ معاملے کے بارے میں اس وقت تک کوئی

فیصلہ نہ فرماتے جب تک اکابرین صحابہ کرام علیہم الرضوان واہل رائے سے مشاورت نہ فرما لیتے تھے۔ حضرت سیدنا ابن شہاب رَحْمَۃُ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

إِذَا نَزَلَ الْأَمْرُ الْمُعْضَلُّ دَعَا الْفِتْيَانَ فَاسْتَشَارَهُمْ يَبْتَغِي حِدَّةَ عُقُولِهِمْ

یعنی امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کوئی مشکل امر در پیش ہوتا تو آپ نوجوانوں کو بلا کر ان کی ذہنی آزمائش کی غرض سے ان سے مشاورت فرمایا کرتے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی، کتاب آداب القاضی، حدیث 20337)

آپ کے دور خلافت کی بہاروں کا تفصیلاً بیان، دفتر قرطاس کا محتاج ہے۔

المختصر یہ آپ کے دور خلافت میں نظام عدل سے لیکر نظام احتساب تک، شورائی نظام سے لیکر عہدیداروں کی تقرری تک ہر میدان میں آپ کا دور خلافت امت مسلمہ کے لیے ایک بے مثل نمونہ (Ideal) ہے۔

دور فاروقی کی فتوحات:

آپ کے دور خلافت کا ایک عظیم کارنامہ فتوحات بھی ہیں۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد دور صدیقی کم و بیش ایک سال فتنہ منکرین زکوۃ اور ارتداد کے خلاف سرکوبی میں گزر گیا۔ اس لیے آپ کی توجہ عرب کے اندر ہی رہی۔ ان فتنوں کا قلع قمع کرنے کے بعد آپ نے عرب سے باہر اسلامی فتوحات کے سلسلے کا آغاز کیا۔ اور پھر شام و عراق کے چند علاقے ہی فتح ہوئے تھے کہ آپ کا وصال ظاہری ہو گیا۔

آپ کے وصال کے بعد جب دور فاروقی کا آغاز ہوا تو آپ نے عراق و شام کے ان علاقوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھے۔

آپ نے اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے سرزمین شام، عراق، فلسطین، مصر اور فارس میں اسلام کے جھنڈے لہرائے۔

خلافت فاروقی میں کفار سلاطین کا خوف و ہراس:

تاریخ کی کتابوں میں یہاں تک لکھا ہے کہ جب سے آپ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، غیر

مسلم بادشاہ و سلاطین، تفکر و خوف میں مبتلا نظر آئے۔ چنانچہ "فتوح الشام" میں ہے کہ:

شاہ روم ہر قل بادشاہ کو جب سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی بطور خلیفہ تقرری کا علم ہوا تو خوف زدہ ہو کر اس نے ارکان سلطنت، ارباب دولت اور تمام بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کو "کنیسہِ قِسّیسین" میں جمع کیا اور جذباتی تقریر کرتے ہوئے کہنے لگا: غور سے سنو! اب وہ شخص مسلمانوں کا خلیفہ مقرر ہوا ہے جو نہایت سخت ہے، غیر تو غیر اپنے بھی اس کے نام سے کانپتے ہیں، اس کے ہاتھ میں ہر وقت کوڑا رہتا ہے جس کا خوف تلوار سے بھی زیادہ ہے، یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں "ملاحم" میں لکھا ہے کہ وہ دراز قد، گندمی رنگت والا اور سیاہ آنکھوں والا ہو گا۔ اس کی ہیبت سے عظیم سلطنتوں کے شہنشاہ کانپ اٹھیں گے، وہ فاتح اعظم کی حیثیت سے دور دراز کے ممالک کو فتح کرے گا، سیاست کا ایسا ماہر ہو گا کہ اپنے دارالسلطنت میں بیٹھ کر اپنے لشکر کی کمانڈ کرے گا، اس کے ایک اشارے پر اس کے فرمانبر دار مجاہد سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے، یہ لوگ قیصر و کسری کے ایوانوں کو اکھاڑ پھینکیں گے، وہ میرے بھی تخت کا مالک ہو جائے گا۔(فتوح الشام، جلد اول، ص85)

فتوحات شام:

امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نظام شریعت اور احکام دین کے معاملے میں کسی کی بھی رعایت نہیں کرتے تھے۔ آپ نے اپنی سلطنت میں عدل و انصاف کا ماحول قائم فرمادیا تھا، آپ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے تصلب فی الدین یعنی دینی معاملات میں سختی سے کفار و مشرکین، منافقین و یہود و نصاری اور تمام اسلام دشمن عناصر بخوبی آگاہ تھے۔(فیضان فاروق اعظم جلد2 ص 549)

آپ رضی اللہ عنہ نے ملک شام کی طرف ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلام کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔

ملک شام کی پہلی فتح:

حضرت سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بطور سپہ سالار تقرری کے بعد حضرت سیدنا عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہ کو پانچ سو سوار دے کر "حصن ابی القدس" (قلعہ عرقا اور

مَرج السلسلہ نامی دو گاؤں کے درمیان واقع ایک قلعہ) کی طرف بھیجا۔ اس قلعے کے سامنے ایک گرجا گھر تھا جہاں کا پادری ہر سال وہاں سالانہ تجارتی میلا منعقد کرواتا۔ تاکہ قلعہ بھی فتح ہو جائے اور میلے کا تجارتی سامان بھی بطور غنیمت حاصل ہو۔ انہوں نے اپنے پانچ سو ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود پچیس سو رومی سپاہیوں سے مقابلہ کیا، بعد ازاں حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کے ساتھ فتح و نصرت سے سرفراز ہوئے، قلعہ حصن ابی القدس کو بھی فتح کر لیا اور کثیر مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ ملک شام میں حضرت سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں یہ پہلی فتح تھی۔ (فتوح الشام جلد 1 ص 90 ملخصًا)

اس کے بعد سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید فتوحات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے جنگ قنسرین و جنگ حمص، جنگ یرموک و بیت المقدس، جنگ حلب و قلعہ عزاز، سمیت کئی پہاڑی و ساحلی علاقوں میں اسلامی پرچم لہرائے۔

فتوحات مصر:

امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ہی ملک شام کی فتوحات سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مصر کی طرف روانہ ہو جائیں، چنانچہ وہ اسلامی لشکر کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ سب سے پہلے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باب اَلیُون کو فتح کیا پھر اسکندریہ اور اَلیُون کے درمیان میں ایک گاؤں "بَلهیب" پہنچے جسے "قَرْیَۃُ الرِیش" بھی کہا جاتا ہے۔ (فیضان فاروق اعظم جلد 2 ص 664)

پھر ریاست اسکندریہ کے حاکم کی طرف سے پیغام صلح آنے پر باہم امیر المؤمنین سے مشاورت کے بعد اسکندریہ بذریعہ صلح فتح ہو گیا۔

فتوحات عراق:

فتوحات عراق کا سب سے بڑا اور اہم معرکہ "جنگ قادسیہ" تھا جس میں مختلف اقوال کے مطابق لشکر اسلام کی تعداد، چار ہزار یا آٹھ ہزار تھی، بعض کے مطابق نو ہزار اور بارہ ہزار تھی۔ اس جنگ میں لشکر اسلام کا مقابلہ ایک لاکھ بیس ہزار کفار سے تھا، اس لشکر میں تقریباً اڑھائی درجن ہاتھی

بھی موجود تھے۔ چنانچہ تاریخ طبری میں اس جنگ کے بارے میں منقول ہے کہ "اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت بیمار تھے اس لیے آپ نے حضرت سیدنا خالد بن عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا اور ارشاد فرمایا:

"جب میں ایک دفعہ نعرہ تکبیر لگاؤں تو تمام لوگ اپنے تسمے باندھ لیں، دوسری بار لگاؤں تو جنگ کے لیے تیار ہو جائیں اور تیسری بار لگاؤں تو دشمن پر حملہ کر دیں، چوتھی تکبیر پر تمام لشکر کفار پر دھاوا بول دیا جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، دونوں لشکروں کے درمیان تقریباً چار دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ مسلمانوں نے ایرانیوں کے ہاتھیوں کی دُمیں اور سُونڈیں کاٹ دیں نیز ان کی آنکھوں میں نیزے گھونپ دیے جس سے وہ بوکھلا کر واپس بھاگ کھڑے ہوئے اور اپنی ہی فوج کو کچلنے لگے۔ بالآخر مسلمانوں کی بہترین جنگی حکمت عملی کے سبب ایرانی فوج بالکل پسپا ہو گئی، ایرانیوں کے وہ تیس ہزار سپاہی جنھوں نے اپنے آپ کو رسیوں سے باندھ رکھا تھا سب کے سب قتل ہو گئے ان میں سے ایک بھی نہ بچا جو اپنی فوج کی حالت کو بیان کر سکتا۔ بہر حال ایرانی لشکر کے تمام سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے، اسلامی لشکر کے کئی دستے ان کے تعاقب میں گئے اور جو جو ہاتھ لگا سب کو جہنم واصل کر دیا۔ (تاریخ طبری، جلد2، ص408)

فتوحات ایران:

لشکر اسلام کے ہاتھوں کفار کے مفتوحہ علاقوں میں ایرانی لشکروں کی چھیڑ چھاڑ اور بغاوت کو مد نظر رکھتے ہوئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایران پر لشکر کشی کا ارادہ فرمایا۔ اور مختلف اصحاب کی سپہ سالاری میں مختلف لشکر تیار کر کے ایران کی طرف روانہ کیے، جنہوں نے بعض علاقے بذریعہ صلح، بعض علاقے مختصر اور بعض اچھی خاصی لڑائی کے ذریعے فتح کر لیے۔ (فیضان فاروق اعظم جلد2 ص680، 681 ملخصا)

اس کے یکے بعد دیگرے کئی علاقے فتح ہوئے جن میں فتح رے، طبرستان و خراسان وغیرہ شامل ہیں۔

دور فاروقی کی فتوحات:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا اکثر و بیشتر حصہ فتوحات میں گزرا آپ کے ساڑھے

دس سالہ عہد خلافت میں سلطنت اسلامیہ میں تقریباً تیرہ لاکھ نو ہزار پانچ سو ایک مربع میل (1309501) کا اضافہ ہوا۔(فیضان فاروق اعظم جلد2 ص686 ملخصا)

فتوحات فاروقی کی آخری حد:

فتوحات فاروقی کی آخری حد "مکران" کا علاقہ ہے، اس کی فتح کے بعد آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے سن 23 ہجری میں حج سے واپسی کے بعد شہادت پائی۔ فقط فتوحات کو دیکھ کر ایسا نہیں لگتا کہ ان کی کمانڈ کرنے والا کوئی ایک شخص ہے بلکہ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ماہر وحاذق لوگوں پر مشتمل ایک پوری قوم ہے جس کا ان تمام فتوحات کے پیچھے ہاتھ ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات مبارکہ ہمہ جہت شخصیت تھی، ملک شام، عراق، مصر اور ملک ایران جیسے اہم محاذوں پر منظم طریقے سے جنگ کی کمانڈ کرنا، مالِ غنیمت کی تقسیم، اسلامی لشکر کی ہر ہر معاملے میں رہنمائی کرنا، نیز اسی وقت سلطنت کے مختلف معاملات کو سنبھالنا، ان کو صحیح رخ پر چلانا، امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ذات مبارکہ تھی جو ان دونوں محاذوں پر بیک وقت احسن طریقے سے مسلمانوں کی رہنمائی فرما رہی تھی، اس کی سب سے بڑی وجہ اللہ عزوجل کا فضل و کرم، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ عَلَیۡہِ والہ وسلم کی خاص الخاص عنایت اور امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی مدنی تربیت تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مختلف فتنوں کی سرکوبی کے دوران ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھا تھا نیز مختلف معاملات میں آپ ہی سے مشاورت فرماتے رہتے تھے، بظاہر مشاورت ہوتی تھی لیکن در حقیقت وہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی مدنی تربیت تھی۔(فیضان فاروق اعظم جلد2 ص692)

شہادت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ:

امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروق اعظم رَضِی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال 23 ہجری میں ہوا کہ جب ایک بدبخت شخص ابو لؤلؤ نے آپ پر دوران نماز خنجر سے وار کیا جس کے زخم مضر ثابت ہوئے اور آپ نے جام شہادت نوش کیا۔

اللہ کریم ان پر مزید رحمتیں نازل فرمائے۔

اٰمِین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین صلَّی اللہ علیہ والہ وسلَّم

تذکرۂ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

از: مولانا محمد مجیب الرحمٰن
رہبر ضلع رامپور، ہند

اس خاکیدان گیتی پر لاتعداد ایسی شخصیات ہوئی ہیں، جنہوں نے معاشرے کو ایک درست سمت دی ہے اور اپنے کردار و عمل سے معاشرے پر ایک گہرا اثر چھوڑا ہے، انہی عظیم شخصیات میں ایک بہت ہی عظیم ہستی نواسہ رسول، فرزند علی، نور نظر سیدہ فاطمہ، سید الشہداء صبر و عظمت کے پیکر، رضائے الہی کی خاطر جان و مال قربان کرنے والے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ جس وقت آپ شکم مادر میں تھے کہ آپ کی چچی جان حضرت ام الفضل بنت حارث زوجہ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک انتہائی عجیب و غریب خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر آپ کی گود میں رکھ دیا ہے وہ گھبراہٹ کے عالم میں فوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض گزار ہوئیں: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک بہت ناگوار خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا: ناقابل بیان ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیان کرو، آخر کیا ہے۔ تب انہوں نے خواب بیان کیا، جسے سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رایت خیرا تلد فاطمة ان شاء الله غلاما فیکون فی حجرك یعنی یہ تو نہایت مبارک خواب ہے بات یہ ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو فاطمہ کو ایک بیٹا عطا ہوگا اور تم اس کو اپنی گود میں لوگی۔

پھر کچھ دنوں بعد اس خواب کی تعبیر یوں نکلی کہ مدینہ منورہ میں حق و صداقت کا پیکر فرزند روز سہ شنبہ 4 یا 5 شعبان سن 4 ہجری مطابق آٹھ جنوری

626 عیسوی خاتون جنت سیدہ پاک کے گھر جلوہ فرما ہوا (اربعین امام حسین)

نواسے کی ولادت کی خبر سن کر مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے نو مولود کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس کے کانوں میں اذان واقامت کہی، اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنھا کو عقیقہ کرنے اور بچے کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا۔ آپ کی پیدائش کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ عام مدت حمل کے برعکس آپ کی ولادت چھ ماہ مدت حمل پر ہوئی، اور یہی مدت حمل حضرت یحیٰی علیہ السلام کی بھی بیان کی جاتی ہے ، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ آپ سے صرف سات ماہ بیس دن بڑے تھے دونوں بھائیوں کے درمیان بس ایک طہر کا فرق تھا۔ (اربعین امام حسین، بحوالہ تاریخ سادات، ص212)

آپ کا مبارک نام حسین ہے حضرت علی نے " حرب " تجویز کیا تھا، مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما کر حسین رکھ دیا۔ حسن اور حسین یہ دونوں نام اہل جنت کے ہیں۔ اسلام سے پہلے اہل عرب میں کسی نے اپنے بچوں کے یہ نام نہیں رکھے ، آپ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی اور القاب زکی، طیب، سید الشہداء، سید شباب اهل الجنة، ریحانۃ النبی اور سبط الرسول تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے محترم نانا اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنھا آپ کی مقدس نانی تھیں۔ (اربعین امام حسین، ص16 بحوالہ تہذیب التہذیب 346297)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسوں سے بے انتہا محبت تھی ، کبھی اگر حسنین کریمین روتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو جاتے ، نواسوں سے آپ کی محبت کا عالم یہ تھا کہ دوران خطبہ اگر یہ سرداران جنت تشریف لے آتے تو مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ممبر سے نیچے تشریف لے آتے اور ان دونوں حضرات کو کمال محبت سے سینے سے لگا لیتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میرے یہ دونوں بیٹے جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رات کو کسی حاجت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو آپ نے کوئی چیز لپیٹی ہوئی تھی جسے میں سمجھ

نہیں سکا جب میں حاجت سے فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اٹھا رکھا ہے ؟نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سے کپڑا ہٹا دیا، نیچے حسن اور حسین آپ کی کمر پر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور ان سے بھی محبت فرما جو ان سے محبت کرتے ہیں۔(ترمذی 3769 ،ماخوذ مقالات قاسمی علامہ غلام رسول قاسمی)

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جو حسین سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھے۔ حسین بچوں میں سے ایک خاص بچہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عباس مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ نیز فرمایا: علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ نیز فرمایا اشعری قبیلہ مجھ سے ہے اور میں ان میں سے ہوں۔ نیز فرمایا جلیبیب بھی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔(مسلم شریف 6358، السنن الکبری للنسائی 8246)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسن سینے سے لے کر سر تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حسین اس سے نیچے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

حضرت سلمی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ام سلمی کے پاس گئی تو وہ رو رہی تھیں میں نے کہا آپ کو کون سی بات رلا رہی ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک و داڑھی مبارک پر خاک تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کیا ہوا ہے فرمایا میں نے ابھی ابھی حسین کے قتل کا منظر دیکھا ہے۔

کہیں میرے آقا نے فرمایا کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، کسی جگہ میرے مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں میں حسین سے محبت رکھتا ہوں، اے اللہ! تو بھی ان سے محبت فرما اور ان سے بھی محبت فرما جو ان سے محبت رکھتے ہیں، کبھی رحمت دو عالم ان شہزادوں کو اپنی چادر میں چھپا لیتے ہیں تو کبھی کمال محبت سے سینے سے لگا لیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے پناہ الفت و محبت کے سبب ہی امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی اور اپنے اہل خانہ نیز اپنے جانثاروں کی راہ خدا میں جانیں پیش فرمائیں، ورنہ یزید اور اس کے حامیوں سے امام حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی، امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے کربلا شریف میں اپنی جان پیش فرما کر قیامت تک آنے والے لوگوں کو یہ درس دے دیا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے حالات کا رخ کیسا بھی ہو اسباب مہیا ہوں یا نہ ہوں اگر مذہب اسلام پر، شریعت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی طرح کی آنچ آئے، کوئی بھی طاقتور طاقت کے نشے میں شریعت پر حملہ آور ہو تو اپنی جان و مال سے اپنے دین کی حفاظت کرنا، اس وقت اپنے بارے میں نہیں سوچنا بلکہ بے خوف ہو کر آتش نمرود میں کود جانا جب ہم امام حسین رضی اللہ عنہ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو امام حسین رضی اللہ عنہ ہر جانب سے مکمل نظر آتے ہیں۔ بات اگر صبر کی ہو تو وہ سراپا صبر نظر آتے ہیں، اگر ان کی ذات میں سخاوت تلاش کی جائے تو وہ ایسے سخی ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ملنے والے تحفے کو غرباء اور ضرورت مندوں میں خرچ کر دیتے ہیں اپنے لیے بچا کر رکھنے کی فکر انہیں کبھی لاحق نہیں ہوئی اور اگر دین مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا لگاؤ دیکھا جائے تو ایسا کہ دین کے لیے سب کچھ قربان کر دیا۔

بہت سے لوگ یزید ملعون کو امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے مقابل لانے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ یزید امام حسین کی شخصیت کے سامنے کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ امام حسین صداقت و استقامت صبر و ایثار کی مکمل تصویر ہیں، جبکہ یزید ان تمام صفات سے یکسر خالی ہے۔ امام حسین رحم و عدل کا استعارہ ہیں، جبکہ یزید ظلم و جفا کی علامت ہے۔ امام حسین آج دنیا بھر کے لیے نمونہ عمل ہیں، جبکہ یزید دنیا بھر کے لیے باعث شرم و عار ہے۔ امام حسین کا نام بہادری کی نشانی ہے۔ جبکہ یزید بزدلی کی علامت ہے۔ امام حسین سراپا تقوی ہیں، جبکہ یزید سراپا عصیاں ہے۔ امام حسین مظلوم ہیں، جبکہ یزید ظالم ہے۔ امام حسین مسلمانوں کے محافظ جبکہ یزید مسلمانوں کے قتل کا ملزم ہے۔ لہذا یزید ملعون کسی بھی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہونے کے لائق نہیں۔ آج دنیا بھر کے لوگوں کو امام حسین کے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت ہے۔

اللہ پاک ہم سب کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واقعۂ کربلا کیوں پیش آیا؟

از: مولانا سید جنید مدنی

نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے وصالِ اقدس کے بعد نظامِ خلافت کی ابتدا ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہوا۔ آپ کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کا فریضہ سر انجام دیا۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پھر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کی ذمہ داری امام حسن رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔ آپ نے 6 ماہ اس فریضے کو سر انجام دینے کے بعد تمام تر ذمہ داری کاتبِ وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحسن و خوبی اپنی ذمہ داری نبھائی اور آپ نے اہلبیت کے ساتھ حسنِ سلوک کی داستان رقم کی۔ حتیٰ کہ آپ کے دورِ حکومت میں حضراتِ حسنین کریمین آپ سے ملاقات کے لیے بھی جاتے اور تحائف بھی قبول فرماتے۔(البدایۃ والنھایۃ ج8، ص158)

جس وقت آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ کا ناہنجار فرزند تختِ سلطنت پر براجمان ہو گیا۔

تاریخ کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں سے مشورہ کر کے اپنے بیٹے یزید کو خود ہی اس منصب کے لیے نامزد کر دیا لیکن اس وقت یزید کی ظاہری حالت اچھی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ اس کی خباثتِ باطنی سے واقف نہ تھے اس لیے آپ نے یہ

فیصلہ فرمایا۔ اس کی وجہ سے آپ کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ جب آپ نے یزید کو نامزد کیا تو ساتھ ہی یہ وصیت کی کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور اگر وہ تمہاری بیعت نہ کریں تو نظامِ حکومت ان کے حوالے کر دینا۔ (جلاء العیون ج2، ص421)

لیکن جیسے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور یزید تخت پر چڑھ بیٹھا تو اس نے اپنے والدِ گرامی کی تمام نصیحتوں کو پسِ پشت ڈال دیا اور زبردستی سب سے بیعت لینے لگا اور ساتھ ہی اس نے اپنی باطنی خباثت کو ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرمایا: یزید کا فسق و فجور متواتر ثابت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج15، ص236)

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

یزید پلید علیہ ما یستحقه من العزیز المجید قطعاً یقیناً باجماعِ اہلسنت فاسق و فاجر و جری علی الکبائر تھا۔ (فتاویٰ رضویہ ج14، ص592) (اس سے اگلے صفحہ پر آپ علیہ الرحمۃ نے یزید کے مزید کرتوت گنوائے جن کی اس مختصر تحریر میں گنجائش نہیں۔ تفصیل کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔)

یزید نے تمام اطرافِ سلطنت میں بیعت لینے کے لیے مکتوب روانہ کیے۔ بالخصوص حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے زبردستی بیعت لینے کے لیے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن امام حسین نے اپنا ہاتھ باطل کے ہاتھ میں نہیں دیا۔

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں: جب تک حق ظاہر تھا امام حسین حق کے تابع رہے مگر یزید کے دور میں حق رخصت ہو گیا تو آپ نے تلوار اٹھالی۔ (کشف المحجوب ص76)

امام حسین رضی اللہ عنہ نے خلفائے راشدین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں زندگی بسر کی جبکہ یزید کے خلاف تلوار اٹھالی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت حق پر مبنی تھی جبکہ یزید باطل کا علمبردار تھا۔

ادھر سے یزید کے گورنر امام حسین کو بیعت پر مجبور کر رہے تھے اور ادھر سے کوفہ والے خطوط پر خطوط بھیج کر آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا رہے تھے تاکہ وہ سب آپ کی بیعت کریں اور یزید کی بیعت سے خلاصی حاصل ہو۔

چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لے کر کوفہ کی طرف سفر اختیار کیا اور جب آپ میدانِ کربلا میں پہنچے تو یزید کے لشکر نے آپ کو روکا اور کوفہ والوں نے بیوفائی کی اور غریب الوطنی کی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ کو آپ کے جانثار ساتھیوں سمیت ظلماً شہید کر دیا گیا۔

انا للہ و انا الیہ رٰجعون

واقعۂ کربلا میں صحابہ کرام کہاں تھے؟ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفیوں کے مسلسل مطالبے پر کوفہ جانے کا عزمِ مصمم فرمالیا مگر پھر بھی آپ نے اکابر صحابہ کرام اور اہلبیت کے کئی بڑے افراد سے مشورہ کیا اور ان کو کوفیوں کے خطوط دکھائے۔ صحابہ و اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بہت سارے افراد نے آپ رضی اللہ عنہ کو اہلِ کوفہ کی بیوفائی یاد دلا کر جانے سے روکا۔

روکنے والوں میں سرِ فہرست درج ذیل نام ملتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر، امام حسین کے باپ شریک بھائی محمد بن حنفیہ، حضرت جابر، حضرت ابو سعید، حضرت ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔(سیر اعلام النبلاء ج2، ص197، المصنف لابن ابی شیبہ ج15، ص97)

ان سب حضرات کے روکنے پر ان کی تسلی کے لیے امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا اور جب ان کی طرف سے امن و سکون کا مکتوب آیا تو آپ نے کوفہ جانے کا صمیم ارادہ فرمالیا۔

یعنی امام حسین راہِ عزیمت پر چلتے ہوئے یزید کے باطل نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ بقیہ صحابہ و اہلبیت کے کئی افراد رخصت پر عمل پیرا ہوئے۔

اور اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف نبرد آزما

ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا ورنہ سب مسلمان آپ کے شانہ بشانہ نظر آتے۔

اور پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے کوفہ جانے کا مقصد ہر گز یزید سے جنگ نہ تھا ورنہ آپ جنگی تیاری کر کے جاتے۔

لہٰذا جو لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ انہوں نے امام حسین کا ساتھ نہیں دیا تو ان کو مذکورہ بالا حالات و واقعات پر غور کرنا چاہیے اور اپنے دل سے بغضِ صحابہ کو ختم کر کے حقیقی غلامِ حسین ہونے کا ثبوت دینا چاہیے۔

یہ حقیقت کا پہلو ہے جسے جان بوجھ کر پردے میں رکھا جاتا ہے ورنہ اگر میدانِ کربلا میں شہداء کی تعداد ہی پر غور کیا جائے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ وہ اس طرح کہ تاریخ کی کتابوں میں میدانِ کربلا میں شہید ہونے والوں کی تعداد 100 سے اوپر تک ملتی ہے اور ان میں اہلبیت کے افراد کم و بیش 20 تھے۔ تو سوال یہ ہے کہ باقی 80 سے زیادہ افراد کون تھے؟

تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بات آفتابِ نیم روز اور ماہتابِ نیم شب کی مانند ظاہر و باہر ہو جاتی ہے کہ میدانِ کربلا میں تقریباً 10 صحابہ کرام شہید ہوئے اور بقیہ یا تو صحابہ کرام کی اولاد یا پھر ان کے شاگرد تھے جنہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ تفصیل کے لیے علامہ نسیم احمد صدیقی نوری صاحب کی کتاب " اسمائے شرکائے بدر و شہدائے احد و کربلا" کا مطالعہ کیجیے۔

کیا امام حسین اور آپ کے رفقاء مجبور تھے؟

جس وقت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی اس وقت نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو فرشتے کے ذریعے امام حسین کی شہادت کی اطلاع دے دی گئی تھی (مشکوٰۃ المصابیح) اور اس وقت سے لے کر وقتِ شہادت تک تمام صحابہ و اہلبیت اور خود امام حسین رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ مظلوماً شہید کیے جائیں گے۔ یہ سب جاننے کے باوجود نہ تو نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اس کے حوالے سے کوئی دعا فرمائی اور نہ ہی امام حسین رضی اللہ عنہ کے والدین طیبین نے آہ و بکا کی، نہ تو صحابہ کرام نے

گریہ وزاری کی اور نہ ہی اہلبیت کے کسی فرد نے سینہ کوبی کی۔

کیونکہ وہ ہستیاں اللہ پاک کی رضا پر راضی رہنے والی تھیں اور صبر و شکر کو انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اختیار و طاقت کے باوجود انہوں نے صبر کا مظاہرہ کیا اور اپنے لہو سے اسلام کے گلشن کو پروان چڑھایا اور یہ ثابت کرکے دکھادیا

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء مجبور نہیں بالکل مختار تھے لیکن تقدیرِ الٰہی پر صبر و شکر کرنے والے تھے اس لیے اگر میدانِ کربلا کے حالات و واقعات پر غور کیا جائے تو کئی یزیدی امام حسین رضی اللہ عنہ کی دعائے ضرر سے جہنم واصل ہوئے اور آپ کی کئی کرامات کا ظہور میدانِ کربلا میں ہوا۔ جس کی تفصیل امیر اہلسنت کے مایہ ناز رسالے "امام حسین کی کرامات" میں ملاحظہ فرمائیں

اس سب کے باوجود آپ نے اپنی فتح کی دعا نہیں فرمائی کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یزید جیت کر بھی ہار جائے گا اور حسین شہید ہو کر بھی زندہ و جاوید رہے گا۔ جبھی ہم کہتے ہیں کہ

ترسے حسین آب کو، میں یہ کہوں تو بے ادب

لمسِ لبِ حسین کو ترسا ہے آب ریت پر

کیا یہ دو شہزادوں کی جنگ تھی؟ جس طرح بغضِ صحابہ آخرت برباد کرنے کا سبب ہے اسی طرح بغضِ اہلبیت بھی وہ ناسور ہے جس کا انجام فقط جہنم کا آخری درجہ ہے۔ کچھ لوگ اہلبیت کے بغض میں اتنا گر گئے کہ انہوں نے معرکۂ کربلا کو دو شہزادوں کی جنگ کا نام دے کر حقائق کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کی۔ اسی طرح یزید کو امیر المومنین اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی ثابت کرنے کی ناپاک و نامراد سعی میں اپنے شب و روز صرف کر دیے۔

مذکورہ بالا سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یزید انتہائی فاسق و فاجر اور بدمعاش شخص تھا جس کی وجہ سے امام حسین اور دیگر اکابر صحابہ و اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پلید کی بیعت نہ کی جبکہ خارجی تمام صحابہ و اہلبیت کو جھٹلا کر یزید کو اپنا امام و پیشوا ماننے پر ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔

یزید کو امیر المومنین کہنے والے ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہا تو آپ نے

اس شخص کو بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔
(الصواعق المحرقۃ، ج2، ص634)

اللہ پاک ہمیں بغضِ صحابہ سے بھی محفوظ رکھے اور بغضِ اہلبیت سے بھی دور رکھے اور بغض رکھنے والوں کے سائے سے بھی ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

محفوظ سدا رکھنا شہا بے ادبوں سے
اور مجھ سے بھی سرزد نہ کبھی بے ادبی ہو

واقعۂ کربلا میں کتنی سچائی ہے؟

واقعۂ کربلا بیان کرنے میں تین گروہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔

پہلا گروہ روافض کا:

جنہوں نے اس واقعہ میں بہت کچھ سچ جھوٹ ملا کر تاریخ کے صفحات کو سیاہ کرنے میں کسر نہیں چھوڑی اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کو انتہائی مجبور اور بے بس محسوس کرایا اور یہ منظر پیش کیا کہ امام حسین (معاذاللہ) یزیدیوں سے رحم کی بھیک مانگتے رہے۔ اسی طرح آپ کے ساتھیوں کے متعلق بھی روافض یہی کہتے ہیں کہ وہ بھی چیخ و پکار اور واویلا کرتے رہے۔

حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف اور ان پاک ہستیوں پر الزام ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ شیر خدا کے فرزند ہیں اور انہی کی طرح بہادر اور نڈر تھے۔ آپ نے ہرگز یزیدیوں کی منت سماجت نہیں کی اور نہ ہی رحم کا سوال کیا بلکہ آپ تو اپنے خالق و مالک عزوجل کی رضا و قضا پر بخوشی لبیک فرمانے والے اور اپنا تن من دھن قربان کرنے والے تھے۔ اسی طرح آپ کے رفقاء بھی آپ کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے۔ لہٰذا کربلا کے واقعے میں نہ تو روافض کی کوئی روایت قابلِ قبول ہے اور نہ ہی ان کی تقریر سننے کی اجازت ہے کیونکہ وہ خبیث الفطرت لوگ شانِ اہلبیت کی آڑ میں دراصل توہینِ اہلبیت کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ خوارج کا:

جنہوں نے یزید کو حق پر اور امام حسین کو بغاوت پر ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور حقائق کو جھٹلانے کی ناپاک کوشش میں اپنی باطل تحقیقات پیش کیں۔ لہٰذا واقعۂ کربلا کے حوالے سے ان کی تحریر و تقریر سے بھی کوسوں دور رہنا لازم ہے۔

تیسرا گروہ اہل سنت و جماعت کا: یہ وہ مبارک جماعت ہے جو ہر دور میں صراطِ مستقیم اور راہِ اعتدال پر رہی۔ اہلسنت و جماعت کا واقعۂ کربلا کے متعلق موقف یہ ہے جب تک حق غالب رہا امام حسین رضی اللہ عنہ اس کے تابع رہے اور جب یزید کے دور میں حق رخصت ہوا تو امام حسین نے تلوار اٹھالی۔ (کشف المحجوب)

اور ہم ہر اس واقعے کی تردید کرتے ہیں جس میں توہینِ اہلبیت و صحابہ کا ادنیٰ سا شائبہ نظر آتا ہو۔ اور ہر اس بات کو رد کرتے ہیں جس میں امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کو مجبور و بے بس یا باغی ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی ہو۔

اسی لیے سیدی اعلیٰ حضرت نے واقعۂ کربلا کے حوالے سے محتاط رہنے کا حکم دیا جس کا بیان آئندہ سطور میں آتا ہے۔

امام حسین کو شہید کرنے والے شیعہ تھے؟

تاریخ کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو جن کوفیوں نے خطوط کے ذریعے بلایا وہی آپ کے مخالف ہو گئے اور وہ سب شیعہ تھے۔ جیسا کہ شیعوں کی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ کوفہ والوں کو روتا ہوا دیکھ کر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ سب خود ہی ہمارے قاتل ہیں اور خود ہی ہم پر رو رہے ہیں۔ (احتجاجِ طبرسی، ج2، ص29)

اسی طرح شیعوں کی کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ کوفہ کے لوگ شیعہ تھے۔ (مجالس المومنین، ج1، ص56)

لہٰذا شیعوں کا محبتِ اہلبیت کا دعویٰ کرنا ایک ڈھونگ ہے کیونکہ اگر یہ حقیقی معنوں میں محبِ اہلبیت ہوتے تو ہرگز امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے خلاف نہ ہوتے اور نہ ہی ان کو شہید کرتے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ ڈرامہ باز شیعہ ہی امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔

واقعۂ کربلا اور دورِ حاضر کے حالات:

جیسے جیسے ہم زمانۂ نبوی سے دور ہوتے جا رہے ہیں ویسے ویسے فتنوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی ذکرِ اہلبیت کی آڑ میں توہینِ صحابہ کو اپنا دین بنائے ہوئے ہے اور کوئی محبتِ صحابہ میں توہینِ اہلبیت کو اپنا شعار سمجھے ہوئے ہے۔ کوئی توہینِ اولیاء کرنے کو دین سمجھ بیٹھا ہے اور کوئی کتابوں اور بابوں کے

خداؤں میں فرق کرنے میں دن رات منہ کالا کرنے پر کاربند ہے۔

الغرض ہر طرف افراط و تفریط کا دور دورا ہے۔ اعتدال کہیں نظر آتا ہے تو وہ فقط اہلسنت و جماعت میں ہے، کیونکہ فقط یہی وہ جماعت ہے جسے قرآن نے صراطِ مستقیم اور حدیث نے سوادِ اعظم کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

اللہ پاک کے فضل و کرم سے اہلسنت و جماعت سے جڑے مسلمانوں کا یہ خاصہ ہے کہ یہ اللہ پاک اور اس کے تمام پیاروں سے محبت رکھتے ہیں اور نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی ہر ہر نسبت کا ادب و احترام کرتے ہیں۔

ہمارے ایک ہاتھ میں دامنِ صحابہ ہے اور ایک ہاتھ میں دامنِ اہلبیت اور تمام اولیاء کی محبت ہمارے دلوں میں موجزن ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے کسی نسبت کو ختم کر دیا جائے تو نہ ہمارے پاس قرآن باقی رہتا ہے اور نہ ہی حدیث۔ کیونکہ کہ قرآن و حدیث ہم تک صحابہ و اہلبیت اور اولیاء کرام علیہم الرضوان کے ذریعے سے پہنچا ہے تو ان میں سے کسی ایک نسبت کو ختم کرنا گویا قرآن و حدیث میں نقب زنی کرنا ہے۔

جہاں دین کے دیگر معاملات میں افراط و تفریط کا نظامِ بد قائم ہو چکا ہے وہاں واقعۂ کربلا میں بھی یہی معاملہ نظر آتا ہے۔ روافض و خوارج کے علماء تو صحابہ واہلبیت کی جن گستاخیوں کا ارتکاب واقعۂ کربلا کی آڑ میں کرتے ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں لیکن اہلسنت کے بھی کئی خطباء اور جاہل نعت خوان اور نقیب روافض کی ڈگر پر چلتے ہوئے جس طرح ان گستاخیوں میں اپنا حصہ ملاتے ہیں وہ انتہائی افسوس ناک بات ہے۔

روافض کی کتابوں سے من گھڑت روایات بیان کرنا نام نہاد اہلسنت کے کئی خطبا، نعت خوان اور نقیبوں کا شیوہ بن چکا ہے اور اس طرح چکنی چپڑی باتوں سے وہ ہر دفعہ ماہ محرم میں لوگوں کو رلانے پر مکمل زور لگاتے اور پیسے بٹورتے ہیں۔ حالانکہ اہلسنت کی کتب میں صاف لکھا ہے کہ ایسا کرنا ناجائز و حرام ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ میں اس بات کو لکھا کہ "اذکارِ مجالسِ محرم شریف میں ذکرِ شہادت شریف جس طرح عوام میں رائج ہے جس سے تجدیدِ حُزن اور نوحہ باطلہ مقصود اور

اکاذیب و موضوعات سے تلویث موجود، خود حرام ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج23، ص741)

اور اسی مقام پر آپ نے مختلف کتبِ اہلسنت سے اس بات کو بھی واضح فرمایا کہ جہاں واقعۂ کربلا بیان کیا جائے وہاں پہلے ذکرِ صحابہ کیا جائے تاکہ روافض سے مشابہت نہ ہو کیونکہ وہ صرف شہادتِ حسین پر اکتفاء کرتے ہیں جبکہ اہل سنت صحابہ و اہلبیت دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اسی طرح جب بھی واقعۂ کربلا بیان کیا جائے تو فقط مستند و معتبر روایات ہی بیان کی جائیں اور جس مجلس میں باطل روایات اور روافض کی طرح من گھڑت باتوں پر مشتمل واقعۂ کربلا بیان ہو اس کے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

نفس ذکر شریف کی مجلس جس میں ان کے فضائل و مناقب و احادیث و روایاتِ صحیحہ و معتبرہ سے بیان کیے جائیں اور غم پروری نہ ہو مستحسن ہے اور مرثیے حرام خصوصاً رافضیوں کے کہ تبرائے ملعونہ سے کمتر خالی ہوتے ہیں۔ اہلسنت کو ایسی مجالس میں شرکت کرنا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج24، ص501)

مزید یہ کہ واقعۂ کربلا بیان کرنے اور سننے والوں کو درسِ کربلا پر غور کرنا چاہیے اور پیغامِ کربلا کے مطابق اپنی زندگی گزارنی چاہیے تاکہ ایک حسینی کردار والے اور یزیدی کردار والے مسلمان میں فرق ہو سکے۔ ذیل میں ہم پیغام و درسِ کربلا کو مختصراً پیش کرتے ہیں۔

❁ باطل کے ہاتھ میں کبھی بھی ہاتھ نہیں دینا ❁ باطل کی کسی انداز میں مدد نہیں کرنی ❁ دین کی خاطر اپنا تن من دھن قربان کرنے سے گریز نہیں کرنا ❁ سخت سے سخت تر حالات میں بھی نماز کی پابندی کرنی ہے ❁ قرآن پاک کی تلاوت کبھی نہیں چھوڑنی، چاہے سر نیزے پر کیوں نہ لٹکا دیا جائے۔ ❁ ہر حالت میں خواتین کو پردے کا خیال رکھنا ہے ❁ اللہ کی رضا پر راضی رہنا ہے ❁ صبر و شکر کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا ❁ ماتم و نوحہ کرنا یزیدیوں اور کوفیوں کا شیوہ ہے ❁ صحابہ و اہل بیت کا ہمیشہ ذکرِ خیر کرنا ہے۔

تلك عشرة كاملة

اللہ پاک ہمیں ہمیشہ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور باطل سے ہمیں اور ہماری نسلوں کو بچائے۔ امین

اُمُّ المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

از: مولانا زبیر احمد جمالوی (کوہاٹ)

حضور صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کی جانب سے بادشاہوں کی طرف خطوط:

6 ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مشرکین مکہ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر صلح کرلی کہ 10 سال تک اب آپسی جنگ نہیں کریں گے تو اب مسلمانوں کو کفار مکہ کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔

اس صلح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عالمی دعوت کے لیے فارغ ہوئے چنانچہ 7 ہجری یکم محرم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مختلف بادشاہوں کو خطوط بھیجے۔

رومی اور فارسی سلطنتیں اس وقت کی سپر پاور تھیں۔ رومی شہنشاہ ہِرَقْل کے پاس آپ نے سیدنا دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ (سال وفات 50ھ) کو بھیجا تھا۔ (صحیح البخاری، ۴/ ۱۶۵۷، البخاری ت ۲۵۶)

اسی طرح فارسی شہنشاہ خسرو پرویز کے پاس سیدنا عبد اللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ (سال وفات 33ھ) کو بھیجا گیا۔ (صحیح البخاري- ۴/ ۱۶۱۰ (ت ۲۵۶)

اسی طرح شاہ حبشہ اصحمہ بن ابجر کے پاس سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ (سال وفات 59ھ) کو بھیجا گیا۔ (المصباح المضی فی کتاب النبی الأمی ورسله إلى ملوك الأرض من عربي وعجمي ۲/ ۳۳ــــابن حديدة (ت ۷۸۳)

شاہ مصر مقوقس کے پاس سیدنا حاطب ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ (سال وفات 30ھ) کو بھیجا گیا۔ (اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین ۱/ ۸۱، ابن طولون (ت ۹۵۳)

اسی طرح امیر یمامہ ہوذہ بن علی کے پاس سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ (سال وفات 12ھ) کو امیر بحرین منذر بن ساوی کے پاس علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ (سال وفات 21ھ) امیر غسان حارث بن ابی شمر کے پاس شجاع بن وھب رضی اللہ عنہ (سال وفات 12ھ) کو بھیجا گیا۔(سیرۃ ابن ھشام ۲/۶۰۷ عبد الملک بن ھشام (ت ۲۱۳)

اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اور بھی سینکڑوں خطوط لکھے تفصیل کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ (سال وفات 2002ء) کی تالیف مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ کی طرف رجوع فرمائیں۔

بادشاہوں کی جانب سے خطوط کے جواب: خط کے نتیجے میں امیر یمامہ اور امیر بحرین اور والی حبشہ تو اسلام لے آئے، شہنشاہ فارس نے بے ادبی کرتے ہوئے خط کو پھاڑ دیا، اور شہنشاہ روم و بادشاہ مصر نے خط کی تعظیم کی۔

بادشاہ مصر مقوقس نے خط کے جواب میں لکھا، مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نمودار ہو گا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز واکرام کیا۔ پھر اس نے آپ کے قاصد سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آپ کی طرف کچھ تحائف بھی بھیجے جن میں سے 2 لونڈیاں ماریہ اور سیرین ایک گدھا یعفور ایک خچر دلدل ایک گھوڑا میمون اس کے علاوہ کچھ سونا کپڑے اور شہد بھی ارسال کیا۔ (عیون الأثر ۲/۳۷۷، ابن سید الناس (ت ۷۳۴)

حضرت ماریہ قبطیہ کا قبول اسلام: اہل مصر چونکہ نصرانی تھے تو راستے میں حضرت حاطب (سال وفات 30) نے دونوں بہنوں کو اسلام کی دعوت دی اور وہ دونوں اسلام لے آئیں۔(الطبقات الکبری-۸/۲۱۲، ابن سعد (ت ۲۳۰)

جب دونوں بہنیں مدینہ منورہ پہنچیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ماریہ بنت شمعون کو اپنے پاس رکھ لیا اور سیرین بنت شمعون کو شاعرِ دربارِ نبوی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (سال وفات 54ھ) کو عطا کر دی۔(سیدہ سرین کے ہاں عبد الرحمن کی ولادت ہوئی اور سیدہ ماریہ کے ہاں حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی)

حضرت ماریہ قبطیہ کی رہائش کا انتظام: بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے

ان کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (سال وفات 93ھ) کی والدہ سیدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا (سال وفات 30ھ) کے گھر میں ٹھہرایا۔(تاریخ الطبري ٣/٢١، أبو جعفر ابن جرير الطبري (ت ٣١٠) بعض دوسری روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ (سال وفات 50ھ) کے گھر میں اتارا۔(وفاء الوفاء ٣/٣٦، (ت ٩١١)

کچھ عرصہ بعد حضرت ماریہ کے لیے مدینہ منورہ کے عوالی(بالائی حصہ) میں رہائش کا انتظام کیا گیا۔اس جگہ پر ایک مسجد مشربہ ام ابراہیم قائم کی گئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود بھی نماز پڑھی۔(وفاء الوفاء ٣/٣٥، السمھودی(ت ٩١١)

آپ کی انوکھی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کو آزاد عورت کی طرح عزت دیتے تھے لونڈیوں کے متعلق عمومی حکم یہی ہے کہ ان پر حجاب کرنا ضروری نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سیدہ ماریہ پر حجاب کو فرض قرار دیا تھا۔(الاصابة في تمييز الصحابة ٨/٣١١، ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (سال وفات 58ھ) بیان کرتی ہیں: ازواج مطہرات میں سے مجھے کسی پر اتنی غیرت نہیں آتی تھی جتنی غیرت ماریہ پر آتی تھی یہ اس وجہ سے کیوں کہ وہ بہت خوبصورت تھیں ان کی آنکھیں سخت سیاہ اور چہرہ سفید تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرایا تھا جو کہ ہمارے پڑوسی ہی تھے۔

دن کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عموما انہیں کے ہاں ہوتے یہاں تک کہ ہم نے احتجاج کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کو عوالی مدینہ(مدینہ کے بالائی حصہ) میں لے گئے۔لیکن پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کے پاس جاتے تھے اور یہ بات مجھے گوارہ نہیں تھی لیکن ان پر اللہ کا کرم ہوا کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اولاد ہوئی اور ہم اولاد سے محروم رہے۔(المنتخب من كتاب أزواج النبي صلى الله عليه وسلم ١/٥٧، الزبير بن بكار (ت ٢٥٦)

اسی محبت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو وصیت کی کہ جب

تم مصر فتح کرو تو وہاں نرمی اور نیک سلوک کرنا کیوں کہ مصریوں کے ساتھ ہمارا نسبی اور سسرالی دونوں قسم کی رشتہ داریاں ہیں۔(صحیح مسلم-۷/۱۹۰، مسلم(ت۲۶۱)

اور صحابہ کرام نے اس پر عمل بھی کیا جب سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (سال وفات 45ھ) نے 20 ہجری میں مصر فتح کیا تو مقوقس کے ایلچیوں کے ساتھ اس وصیت کا تذکرہ بھی کیا۔(النجوم الزاهرة فی ملوک مصر والقاهرة ۱/ ۲۳—ابن تغري بردي (ت ۸۷۴)

جب مصر فتح ہو گیا تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (سال وفات 34ھ) نے سیدہ ماریہ کے گھر کے متعلق لوگوں سے پوچھا اور پھر وہاں پر ایک مسجد بنوائی۔

اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (سال وفات 60ھ) نے اپنے دور حکومت میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ (سال وفات 50ھ) کی سفارش پر اور سیدنا ابراہیم کے اکرام کی خاطر اہل حُفْن (سیدہ ماریہ کا آبائی گاؤں کے لوگوں) سے جزیہ بھی ختم کر دیا۔(الأموال ۱/ ۱۲۱—أبو عبيد القاسم بن سلام (ت ۲۲۴)

آپ کے بطن سے حضرت ابراہیم کی ولادت: 7

ہجری میں سیدہ ماریہ کی آمد ہوئی 8 ہجری میں ان کے ہاں حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی۔ بوقت ولادت آپ کی دائی سیدہ سلمی رضی اللہ عنہا تھیں۔

جب سیدنا ابراہیم کی ولادت ہوئی تو سب سے پہلے حضرت سلمی رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو رافع رضی اللہ عنہ (سال وفات 40ھ) کو خبر دی۔ سیدنا ابو رافع نے فوراہی یہ خوشخبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سنائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس سے اتنے خوش ہوئے کہ انعام کے طور پر ان کو ایک غلام عطا فرمایا۔(الطبقات الکبری - ۱/ ۱۰۷، ابن سعد (ت ۲۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پیدائش کے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور ان کے بال منڈوائے اور ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کیا اور بال دفن کرنے کا حکم دے دیا۔(تاریخ دمشق ۳/ ۲۳۶، أبو القاسم ابن عساکر (ت ۵۷۱)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (سال وفات 93ھ) بیان کرتے ہیں: ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا رات کو

اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹے سے نوازا ہے اور میں نے اس کا نام اپنے والد ابراہیم کے نام پر رکھا ہے۔(الآحاد والمثاني٥/٤٤٨،ابن أبي عاصم(ت٢٨٧)

جب سیدنا ابراہیم پیدا ہوئے تو انصار کی عورتوں میں مسابقت شروع ہوئی کہ کون اس بچے کو دودھ پلائے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ام بردہ بنت المنذر رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا۔

اب حضرت ابراہیم ام بردہ اور ان کے شوہر براء بن أوس کے پاس رہنے لگے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی اکثر اپنے شہزادے کو دیکھنے ان کے ہاں جاتے اور قیلولہ بھی فرماتے۔(المنتخب من كتاب أزواج النبي صلى الله عليه وسلم ١/٥٩ ،الزبير بن بكار(ت٢٥٦)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق رضاعی والدہ کا نام ام سیف تھا۔(صحیح مسلم،٤/١٨٠٧ مسلم(ت٢٦١)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب لوگوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ایک بیٹا (ابراہیم) دودھ پینے کے لیے مدینہ کے بالائی محلہ میں ہوتا تھا ہم اس کے پاس جایا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اسے بوسہ دیتے اور سونگھتے تھے۔(الأدب المفرد-١/١٣٧—البخاري(ت٢٥٦)

حضرت ابراہیم کی وفات: سیدنا ابراہیم تقریبا 16 یا 18 ماہ کے ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پاس بلالیا۔واقدی(سال وفات 207ھ) کے مطابق آپ کی وفات 10 ربیع الاول بروز منگل 10 ہجری کو ہوئی۔(السنن الکبری-٧/٤٣—ابو بکر البیهقی(ت٤٥٨)

سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (سال وفات 32ھ) بیان کرتے ہیں: ایک دن جان عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک باغ میں لے گئے جہاں پر سیدنا ابراہیم موجود تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں لیا جبکہ سیدنا ابراہیم کی آخری سانسیں چل رہی تھیں یہ دیکھ کر جان رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آنکھیں بھر آئیں۔حضرت عبد الرحمن نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ بھی رو رہے ہیں جبکہ آپ نے ہمیں خود اس سے روکا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا میں نے مصیبت کے وقت چہرہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے اور

بالوں کو نوچنے سے منع کیا تھا، اور ہمارا رونا یہ تو رحمت ہے اور جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

اے ابراہیم! ہماری آنکھیں تیری جدائی سے آنسو بہا رہی ہیں اور ہمارے دل تمہاری جدائی کے سبب بہت غمگین ہیں لیکن ہم اس غم میں بھی اللہ تعالی سے شکوہ نہیں کرتے۔ (المصنف-۳/ ٦٢، أبو بكر بن ابي شيبة:(ت ٢٣٥)

آپ کی تجہیز و تکفین: حضرت ام بردہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو غسل دیا اور پھر ایک چھوٹی چارپائی پر لٹا کر جنت البقیع میں لایا گیا جہاں پر جان عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔

اور پھر سیدہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (سال وفات 3ھ) کے قریب آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ (المنتخب من كتاب أزواج النبي صلى الله عليه وسلم ١/ ٦٠، الزبیر بن بکار (ت ٢٥٦)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ (سال وفات 18ھ) اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (سال وفات 54ھ) نے غسل دیا اور قبر میں اتارا، پھر اس کے بعد آپ کی قبر پر کچھ پانی چھڑکا گیا۔ (الاستيعاب في معرفة الأصحاب ١/ ٥٩ــــابن عبد البر (ت ٤٦٣)

چونکہ سیدنا ابراہیم مدت رضاعت میں ہی وفات پا گئے تھے اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: میرے بیٹے ابراہیم کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی عورت ہے جو بقیہ مدت رضاعت پوری کر رہی ہے۔ (صحیح البخاری-۲/ ۱۰۰، (ت ٢٥٦)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے نان ونفقہ کی ذمہ داری خلیفہ اول سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ (سال وفات 13ھ) پر آئی جس کو آپ نے بخوبی انجام دیا۔ آپ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (سال وفات 23ھ) نے بھی آپ کا خصوصی خیال رکھا۔

سیدہ ماریہ کی وفات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد آپ صرف پانچ سال ہی زندہ رہیں۔

آپ کی وفات ماہ محرم 16 ہجری میں ہوئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا جنازہ پڑھایا، آپ کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ (الجوهرة فى نسب النبى وأصحابه العشرة ٢/ ٤٧، (ت بعد ٦٤٦)

عقیدۂ ختم نبوت قرآن کی روشنی میں

از: جیش محمد مصباحی ثقافی

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک ہے جو ہم مسلمانوں کے ایمان کا ایک حصہ ہے اور اسے مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا کہ اس کی حفاظت کی جائے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جنگ یمامہ میں اپنی جانوں کو قربان کر کے اس کی حفاظت فرمائی تو جو کوئی بھی ختم نبوت کا انکار کرے یا اس سے ادنی انحراف کرے یقینا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب ختم نبوت پر پہرہ دیا۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے

غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

ختم نبوت یعنی کہ نبیوں کی تعداد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے پر پوری ہو چکی ہے ، حضور صلی اللہ تعالی کے بعد صبح قیامت تک کسی کو نبوت ورسالت نہیں مل سکتی اور یہ نص قرآنی سے ثابت اور ظاہر وباہر ہے اور اس موضوع پر سینکڑوں قرآنی آیات دال ہیں، بعض صراحتاً بعض دلالۃً بعض اشارۃً اور بعض استدلالاً ہیں۔ جن میں سے میں کچھ سپرد قرطاس کر رہا ہوں،

پہلی دلیل:

اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۠ (الاحزاب 40)

ترجمہ کنزالایمان: محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں اور آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم پر نبوت ختم ہو چکی ہے اور رہی بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا تو وہ نبوت پہلے پا چکے ہیں مگر نزول کے بعد شریعت محمدی پر عامل ہوں گے اور اسی شریعت پر حکم کریں گے اور آپ ہی کے قبلہ یعنی کعبہ معظمہ کی طرف نماز پڑھیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایسا کرنا بھی اس بات پر دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری نبی ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ہی آخری شریعت ہے۔

دوسری دلیل:

جب بھی کوئی نبی اس دنیا میں مبعوث ہوئے تو وہ کسی خاص جگہ کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو کسی خاص قوم یا جگہ کے لیے نہیں بلکہ سارے جہان کے لیے اور قیامت تک کے لیے تشریف لائے۔ جیسا کہ رب عزوجل نے خود ارشاد فرمایا:

1۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَاﰳ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ (الاعراف: 158) ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمان و زمین کی بادشاہی اسی کو ہے۔

2۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙﰳ (الفرقان: 1) ترجمہ کنزالایمان: بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سُنانے والا ہو۔

3۔ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًاؕ (النساء: 79) ترجمہ کنزالایمان: اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لیے رسول بھیجا۔

4۔ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۠(۵۲) (القلم: 52) ترجمہ: اور وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہاں کے لیے۔ (کنزالایمان)

تفسیر صراط الجنان میں اس آیتبارکہ کے تحت درج ہے کہ "بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ

یہاں "ھُوَ" ضمیر کا مِصداق رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ہیں" (تفسیر صراط الجنان)

5۔وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ(۱۰۷) (الانبیاء: 107) ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔(کنز الایمان)

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام خلق کے لیے اور قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کی رسالت رسالت عامہ ہے تو سب پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور آپ کی اتباع فرض ہے۔

خود میرے نبی نے بات یہ بتادی، لانبی بعدی
ہر زمانہ سن لے یہ نوائے ہادی، لانبی بعدی
(مظفر وارثی)

ختم نبوت کے اس حساس عقیدے کے باب میں کچھ اور آیتیں پیش کر دوں تا کہ ایمان میں اور نکھار پیدا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی آخری نبی ہیں اور انھیں کی پیروی ہم سب پر واجب ہے ایک اور جگہ اللہ سبحانہ و تعالی نے ارشاد فرمایا۔

وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ (الانعام: 19) ترجمہ: اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمھیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے۔(کنز الایمان)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗؕ (آل عمران: 81)

ترجمہ کنز الایمان: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

مذکورہ بالا دو آیتوں سے بھی یہ بات واضح ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسان کو قرآن پر ایمان لانا اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ کی پیروی کرنا ضروری ہے۔

یوں ہی اس دنیا میں کئی سارے مذاہب ہیں تو ان میں سے ایک ہی مذہب صحیح ہو سکتا ہے اور جو

صحیح ہو وہی غالب آسکتا ہے اور جو غالب آئے وہی آخری دین ہو سکتا ہے اور جو آخری ہو اس کی اتباع سب پر فرض ہے اب آیئے قرآن سے پوچھتے ہیں کہ اے قرآن ذرا تو بتا کون سا دین غالب آئے گا تو یوں آواز آئے گی:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ(الفتح: 28) ترجمہ کنزالایمان: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے۔

ان آیات سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی آخری نبی ہیں۔ اور دین اسلام ہی آخری دین ہے۔ اب میں ایک دو آیتیں مزید پیش کردوں تاکہ ایمان میں مزید پختگی بڑھ جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَؕ (البقرۃ:4)

ترجمہ: اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں۔ (کنزالایمان)

اور دوسری جگہ خدائے پاک سبحانہ و تعالی نے ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُؕ(النساء : 136) ترجمۂ کنزُالایمان: اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے ان رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری۔

یہ دو آیتیں بڑی وضاحت سے بتا رہی ہیں کہ ہم پر صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو ضرور قرآن میں اس پر ایمان لانے کا حکم موجود ہوتا مگر ایسا نہیں یعنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

خدا ہم سب کو اس اجماعی اور قطعی عقیدے پر تازیست قائم و دائم رکھے اور ہماری نسلوں کو بھی، خدا ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین

مستشرقین کارد بلیغ (قسط:01)

از: محترم سنان علی صاحب

متن قرآن پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات:

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کیلئے ہیں جو زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے اور درود و سلام ہو تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار اور نسل انسانی کی شان محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب رضی اللہ عنہم پر۔

ولیم کلیر ٹزڈال برطانوی مستشرق ہے جسے عربی سمیت کئی زبانوں پر مہارت تھی۔ وہ چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے ایران میں قائم مشنری سوسائٹی کا سیکرٹری بھی رہا۔ اس کی کتاب "The Original Sources of Quran" چھ ابواب پر مشتمل ہے جس میں اس نے یہ مفروضہ قائم کر رکھا ہے کہ قرآن مجید کوئی آسمانی کتاب نہیں بلکہ یہ یہودیت، عیسائیت اور دور جاہلیت کے عرب مذاھب سے مستعار شدہ تعلیمات پر مبنی ایک کتاب ہے۔ ہم ان شاءاللہ آگے ان تمام جعلی دعووں کا تفصیلی جائزہ لینگے۔ (اسلام اور مستشرقین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر:۲۸)

پہلا باب Introduction(تعارف) پر مبنی ہے:

ولیم نے یہاں قرآن کو ایک محفوظ کتاب تسلیم کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے ایک روایت کے سہارے ایک شبہ قائم کیا ہے۔ اسلامی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن کو جمع کیا گیا۔ قرآن کا یہ نسخہ سیدنا ابو بکر کے بعد خلیفہ دوم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کے بعد ان کی بیٹی اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنھا کے پاس رہا۔ بعد ازاں ، سیدنا عثمان کے دور میں جب قرآت کا اختلاف پیدا ہوا تو انہوں نے قرآن کو از سر نو جمع کیا اور دیگر نسخوں کو جلا کر پوری سلطنت اسلامیہ میں یہی نسخہ رائج کیا جو آج تک باقی ہے۔

ولیم کا کہنا ہے کہ عہد ابو بکر اور عہد عثمان کے نسخوں میں فرق تھا، جب عہد عثمان میں سیدنا زید قرآن کو جمع کر رہے تھے تو انہیں ایک آیت ملی جو اس سے قبل کے نسخے میں موجود نہ تھی۔ زید نے ایک اور شخص کو تلاش کیا جس کے پاس وہی آیت موجود تھی، پھر اس آیت کو سورۃ احزاب میں شامل کر دیا۔

We are told that the new recension was copied from the original manuscript, and so doubtless it was for the most part. Yet the words we have quoted prove that certain alterations must have been made, though no doubt in good faith, and principally to preserve the purity of the Meccan dialect of the book. Another proof that some change was made is afforded by the statement that on this occasion Zaid recollected a verse which was not in the first copy, and which he had himself heard Muhammad recite. He

did not, however, venture to insert it merely on his own authority, but searched until be found another man who could recite it from memory. When this was done, the verse was entered in Suratu'l Ahzab.

صحیح البخاری کی روایت ہے کہ سیدنا زید بن ثابت کہتے ہیں: جب قرآن مجید کو ایک مصحف (کتابی) کی صورت میں جمع کیا جانے لگا تو میں نے سورۃ الاحزاب کی ایک آیت نہیں پائی جس کی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برابر تلاوت میں نے سنی تھی۔ جب میں نے اسے تلاش کیا تو صرف خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس وہ آیت مجھے ملی۔ یہ خزیمہ رضی اللہ عنہ وہی ہیں جن کی اکیلے کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ" (سورۃ الاحزاب: 23) "مومنوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے وہ بات سچ کہی جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا۔" (صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر: ۲۸۰۷)

اس روایت سے صاف طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ واقعہ عہد عثمان میں سرے سے پیش ہی نہیں آیا جیسا کہ ولیم کا خیال ہے بلکہ عہد ابو بکر میں جب قرآن کو جمع کیا گیا، یہ تب کی بات ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے ایک جماعت کو قرآن زبانی حفظ تھا لیکن قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرتے وقت ان کے درمیان یہ ضابطہ مقرر کیا گیا کہ جس آیت کے متعلق دو صحابی یہ گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت لکھوائی تھی تو اسے مصحف میں درج کر دیا جائے گا۔ (تفسیر تبیان القرآن، امام غلام رسول سعیدی الحنفی رحمہ اللہ، تحت سورۃ الاحزاب آیت نمبر: ۲۳)

سیدنا زید اور دیگر صحابہ سیدنا عمر، ابی بن کعب، ہلال بن امیہ نے بھی یہ آیت سن رکھی تھی۔ لہذا، یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس آیت کا سماع تو متواتر تھا لیکن اتفاق سے یہ آیت لکھی ہوئی شکل میں سیدنا خزیمہ بن ثابت کے ہاں ملی اور پھر اسے مصحف میں شامل کر دیا گیا۔ (ھدایۃ القاری شرح صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۸۰۷، عمدۃ القاری، امام بدرالدین عینی الحنفی رحمہ اللہ: ۱۰/ ۱۱۳)

مزید یہ کہ تدوین قرآن کیلئے جو کمیٹی سیدنا ابو بکر کے عہد میں بنی اور جو کمیٹی سیدنا عثمان کے عہد میں، دونوں ہی میں سیدنا زید بن ثابت خود موجود تھے، اگر دونوں مرتبہ ایک ہی شخص یہ خدمت انجام دینے میں شریک ہے تو کمی بیشی کا امکان ہی ناممکن سی بات ہے۔ لہذا، اس سے ولیم کا اعتراض مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

ولیم کلیر ٹزڈال کا کہنا ہے سیدہ حفصہ کا اصل نسخہ مروان نے اپنے عہد میں جلا دیا تھا اور وہی نسخہ عہد عثمان میں جمع کئے گئے نسخے کے خلاف تھا۔

Even Hafsah's copy, the only one which in any important respect differed from the revised edition after the execution of Uthman's command, was on that account burned in Marwan's time

ہم نے اوپر تفصیلی بحث سے یہ چیز ثابت کی ہے کہ سیدہ حفصہ کے نسخے اور عہد عثمان میں جمع شدہ نسخے میں کمی بیشی کا کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں کو جمع کرنے کا کام سیدنا زید بن ثابت نے انجام دیا، پھر کمی بیشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مزید ولیم ٹزڈال نے اس بات کو یکسر نظر انداز کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سے لے کر مروان کے عہد تک ہزاروں لوگوں نے قرآن کو حفظ کیا اور آج یہ سلسلہ لاکھوں کروڑوں تک پہنچ چکا ہے۔ دنیا کی کسی اور کتاب کو یوں حفظ نہیں کیا گیا اور قرآن کی سینہ بہ سینہ منتقلی کا عمل اپنے آپ میں ایک کھلا چیلنج ہے کہ اس میں ایک لفظ کی کمی بیشی بھی ناممکن ہے۔ اس لئے اگر اس بات کو تسلیم بھی کیا جائے کہ عہد مروان میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنھا کے نسخے کو جلا دیا گیا تو اس سے قرآن کی سالمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ یہ اللہ کی خصوصی رحمت تھی کہ اس نے پوری امت مسلمہ کو مصحف عثمانی پر جمع کر دیا اور ایک ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہ رہا۔

ولیم ٹزڈال نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دوسرا بہتان یہ باندھا ہے کہ قرآن مجید ان کی ذاتی تصنیف ہے، چونکہ اس میں وہ تمام حالات موجود جن کا سامنا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنھم کو کرنا پڑا۔

Moreover, the morality of the Qur'an, its view of the Divine Nature, its anachronisms, and its many defects make it impossible for us to doubt that it is Muhammad's(Peace Be Upon Him) own composition. When the

Surahs are arranged in the chronological order of their composition and compared with the events in Muhammad's life, we see that there is much truth in the statement that the passages were not, as Muslims say, revealed, but composed from time to time, as occasion required, to sanction each new departure made by Muhammad(Peace Be Upon Him). The Qur'an is a faithful mirror of the life and character of its author. It breathes the air of the desert, it enables us to hear the battlecries of the Prophet's followers as they rushed to the onset, it reveals the working of Muhammad's(Peace Be Upon Him)own mind, and shows the gradual declension of his character as he passed from the earnest and sincere though visionary enthusiast into the conscious impostor and open sensualist All this is clear to every unprejudiced reader the book.

اس اعتراض سے ہی ٹزڈال کے شیطانی ذہن کی خرافات واضح ہو جاتی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری انسانیت کی ہدایت کیلئے خدا کا پیغام لے کر تشریف لائے۔ اب اس میں وہ تمام حالات بیان ہونا یقینی تھا جن کا سامنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو کرنا پڑا۔ اس سے یہ چیز کیسے ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن خدا کی نازل کردہ کتاب نہیں؟ کیا بعد کے دور میں آنے والے انسانوں کو کوئی ایسا رہبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درکار نہیں تھا جس کی زندگی ان کی مکمل رہنمائی کرے؟ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر اس فضول اعتراض پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ تو کسی (الہامی) کلام کا نقص ہو گا کہ اس میں مستقبل کے حالات تو خوب موجود ہوں لیکن قوم کو درپیش حالیہ آزمائشوں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ بتایا

گیا ہو۔ کیا خدا کے کلام کے متعلق یہ گمان بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ جس دور میں نازل ہوا اس دور کے مسائل کو یکسر نظر انداز کر دے؟ (اسلام اور مستشرقین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر:۲۹)

ہم ولیم کے اس اعتراض کہ قرآن مجید رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی تصنیف ہے کو تین زاویوں سے دیکھتے ہیں۔

1۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار پر جس طرح کا بہتان ولیم نے باندھا ہے، یہ کسی علمی شخص سے متوقع نہیں ہو سکتا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربوں میں ابتداء ہی سے اپنی شرافت، صداقت اور دیانت کیلئے معروف تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کفار مکہ جنہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو جھٹلایا، وہ اعلان نبوت کے بعد ان کے کردار سے متنفر تھے؟ ہم صحیح البخاری کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جو کہ ابوسفیان (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) اور ہرقل روم کے درمیان ایک مکالمہ ہے۔

جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرقل کو دعوت اسلام پر مشتمل ایک خط بھیجا تو ان دنوں قریش کا ایک قافلہ غرضِ تجارت سے شام میں موجود تھا۔ ہرقل نے انہیں بلوا بھیجا اور پھر ان سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سوالات کیئے۔ ان کے خاندان و نسب کے متعلق سوال کیا تو بتایا گیا وہ نہایت اونچے نسب اور اعلیٰ خاندان والے ہیں۔ پھر پوچھا کیا اس خاندان میں پہلے بھی کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہے تو جواب نفی میں ملا۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے کمزور ہیں یا طاقتور؟ ان کی تعداد دن بدن کم ہو رہی ہے یا بڑھ رہی ہے؟ کیا ان کا کوئی ساتھی انہیں چھوڑ بھی جاتا ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ ان کی پیروی کرنے والے کمزور افراد ہیں، دن بدن ان کی تعداد بڑھتی ہی جاتی ہے اور جو ایک بار ان کا ساتھی بن جائے وہ انہیں کبھی نہیں چھوڑتا۔ پھر ہرقل نے پوچھا کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟ تو جواب دیا گیا: کبھی بھی نہیں۔ پھر ہرقل نے تعلیمات اسلام کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا: وہ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا درس دیتے ہیں، نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیز گاری اور آپس میں صلہ رحمی کی تعلیمات عام فرماتے ہیں۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کی ایک ہلکی سی جھلک جو ان لوگوں کی جانب

سے پیش کی گئی ہے جو ان کے بدترین دشمن شمار ہوتے تھے اور جن کی اذیت رسانیوں کے سبب انہیں مدینہ منورہ ہجرت کرنا پڑی۔ اب ذرا ہر قل کے جواب پر غور کریں۔ اس نے ان باتوں سے جو نتیجہ نکالا، مستشرقین کے پست ذہنوں سے زیادہ وزنی عقل تو اس کی معلوم ہوتی ہے۔ کہنے لگا: میں نے نسب کے متعلق اس لئے پوچھا کہ پیغمبر اپنی قوم میں عالی نسب ہی بھیجے جاتے ہیں۔

میرے پوچھنے پر تم نے بتایا کہ اس خاندان میں پہلے کسی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی کی تقلید میں نبوت کا اعلان نہیں کیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا انہوں نے کبھی کسی شخص سے جھوٹ بولا ہے؟ تم نے نفی میں جواب دیا، پس مجھے یقین ہو گیا کہ جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ پھر میں نے پوچھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں، تم نے جواب دیا نہیں، پیغمبر یقیناً عہد شکنی کرنے والے نہیں ہوتے۔ (ہم نے اس روایت کو مختصر نقل کیا ہے تفصیل کیلئے صحیح البخاری دیکھی جا سکتی ہے)(صحیح البخاری:۷)

جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ بولے گا، یہ وہ شخص کہ رہا ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان بھی نہیں رکھتا۔ یہ چیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند کردار، عظیم شخصیت اور اعلیٰ صفات کو واضح کرتی ہے۔ دوست دشمن سب ہی ان کے کردار کی عظمتیں بیان کرتے اور اس پر مطمئن نظر آتے ہیں وللہ الحمد۔ افسوس ہے کہ مستشرقین اپنی عقلیت کے دعووں کے باوجود تعصب کی انتہاؤں تک پہنچے ہوئے ہیں، اگر وہ انصاف کے دامن کو تھامتے تو ان پر یہ حقیقت یقیناً واضح ہو جاتی۔

2۔ دوسرا پہلو قرآن کی ان پیشگوئیوں اور انکشافات پر مشتمل ہے جو مستقبل اور تہذیب جدید کی ترقی نے ثابت کئے۔ اس میں بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ہم اختصار سے کام لیتے ہوئے ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں جس کا تعلق عہد نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ اعلان نبوت کے بعد جب کفار مکہ کی جانب سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو اذیتیں دی جا رہی تھیں، اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتوں روم اور ایران کے درمیان ایک جنگ برپا تھی جس میں ایرانیوں کا پلڑا بھاری تھا۔ رومی مسلسل شکست کھا رہے تھے اور ادھر قریش اس بات پر جشن منا رہے تھے کیونکہ وہ ایرانیوں کو آتش پرست ہونے کے

سبب اپنے مشابہ اور رومیوں کو اہل کتاب ہونے کے سبب مسلمانوں کے مشابہ سمجھتے تھے۔ ان حالات میں سورۃ الروم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴﴾ بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵﴾

الف، لام، میم، روم والے قریب ترین زمین میں مغلوب ہو گئے اور وہ اس مغلوبیت کے چند ہی سالوں بعد غالب آجائینگے، اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے کام پہلے بھی اور بعد بھی اور اس روز مسلمان اللہ کی مدد کی وجہ سے خوش ہونگے، اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے اور وہ غالب رحم والا ہے۔

اس عہد میں یہ پیشگوئی ناقابل یقین تھی۔ قریش کے ایک سردار ابی بن خلف نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شرط لگا لی کہ اگر تین سال میں رومی غالب آگئے تو میں تمہیں دس اونٹ دونگا وگرنہ تم مجھے دس اونٹ دوگے (اس عہد میں ایسی شرط جائز تھی)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن نے بضع سنین (چند سالوں میں) فرمایا ہے (اور عربی میں بضع کا اطلاق تین سے نو سال تک ہوتا ہے)، لہٰذا تم شرط کی مدت نو سال تک مقرر کر لو۔ اس کے بعد بھی ایرانی فوج مسلسل آگے بڑھتی رہیں حتیٰ کہ روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ تک جا پہنچیں۔ مشہور مورخ ایڈورڈ گبن اس پیشگوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی کوئی بھی خبر اتنی بعید از قیاس نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال رومی شہنشاہت کے خاتمے کا اعلان کر رہے تھے۔"

لیکن جیسا کہ قرآن نے اعلان فرمایا ویسا ہی ہوا۔ اپنی شکست کے سات سال بعد قیصر روم خلاف توقع قسطنطنیہ سے نکلا اور ایرانی افواج پر غالب آتا چلا گیا۔ ادھر عرب میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ہجرت کر کے مدینہ جا چکی تھی اور جس وقت میدان بدر میں تین سو تیرہ مجاہدین اسلام ایک خدا کی توحید کیلئے اپنے مال و جان کی بازی لگا رہے تھے، انہیں اہل ایران پر رومیوں کی فتح کی خبر ملی اور رب تعالیٰ نے جو فرمایا تھا وَیَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴﴾

(اس روز مسلمان اللہ کی مدد کی وجہ سے خوش ہونگے) اس میں بدر کی فتح کی طرف بھی اشارہ تھا۔ (علوم القرآن:۳۶۹، ۳۷۰)

3۔ تیسرا پہلو اعجاز القرآن کا وہ عظیم الشان باب ہے جس نے نسل انسانی کے فصحاء کو اپنا گرویدہ اور تمام بلغاء کو عاجز کر دیا۔ عہد جاہلیت کے معاشرے پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے ان میں فصاحت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ لاکھوں اشعار کو زبانی یاد کرنے والے فصاحت و بلاغت کے میدانوں میں خوب مقابلے کرتے تھے، جس قبیلے میں کوئی شاعر پیدا ہوتا اس قبیلے میں ایک جشن منایا جاتا اور سالانہ شاعری کے مقابلے میں جیت جس کا مقدر بنتی اس کے اشعار کو سونے کے پانی سے لکھا جاتا۔ اس قوم میں قرآن مجید یہ چیلنج دے رہا ہے:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (۲۳) اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمائتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ (البقرۃ:۲۳)

یہ کھلا چیلنج قیامت تک کیلئے ہر دین دشمن کے سر پر لٹکتی تلوار ہے جس کا جواب دینے سے ان کے شیطانی دماغ قاصر ہیں ۔ مستشرقین اسلام کے خلاف زہر اگلنے کی بجائے اگر اس چیلنج کا جواب دینے کی کوشش کرتے تو لوگوں پر ان کی جہالتیں ضرور عیاں ہو جاتیں۔ جمیع مخلوقات کیلئے قرآن کا مثل پیش کرنا ممکن نہیں، رب تعالیٰ اس عاجز ہو جانے کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا (۸۸)

تم فرماؤ: اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔ (سورہ بنی اسرائیل:۸۸)

ہم اس ضمن میں ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔ مصر کا ایک مسلمان طالب علم پیرس کی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہاں ایک مستشرق اس کا استاد تھا۔ ایک دن مستشرق کہنے لگا: کیا تم سمجھتے ہو قرآن مجید ایک معجزہ ہے؟ طالب علم نے جواب دیا:

بالکل۔ مستشرق کہنے لگا: تم جیسے پڑھے لکھے نوجوان سے اس چیز کی توقع نہ تھی۔ مسلمان طالب علم نے اسے سمجھانے کی غرض سے ایک تجویز رکھی، یہاں جو عربی زبان سے واقف لوگ ہیں ایک ایسے مضمون کو عربی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کریں جو قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے ۔ وہ مستشرق جو بڑا اعربی دان تھا، اس بات پر رضامند ہو گیا۔ یہ جملہ "جہنم بے حد وسیع ہے" منتخب کیا گیا اور طے پایا کہ سب لوگ اسے فصیح عربی میں ادا کریں۔ کسی نے کہا: إن جهنم لوسيعة، کوئی بولا: جهنم كبيرة جداً، کوئی کہنے لگا: إن جهنم لاوسع مما تظنون اور کسی کہنے والے نے کہا:

إن سعة جهنم لا يتصورها عقل إنسان۔ جب سب اپنی عقل کی آخری حد چھو چکے تو مسلمان نے کہا، اب اسی منظر کو قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے:

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (۳۰) (سورۃ ق:۳۰)

قرآن مجید نے اس مضمون کو جس فصاحت سے بیان کیا ہے، اس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے اور وہاں موجود سب لوگ چونکہ عربی دان تھے، اس لئے اس چیز کو خوب سمجھ گئے اور بالاتفاق تسلیم کیا (حاضرات قرآنی، ڈاکٹر محمود احمد غازی:۲۷۹، ۲۸۰، تفسیر الجواھر للطنطاوی رحمہ اللہ:23/107)

ان تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید زمین و آسمان کے خالق کا روشن کلام ہے۔ اگر اس کے باوجود مستشرقین اس منگھڑت مفروضے پر بضد ہیں کہ قرآن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی تصنیف ہے تو قرآن کے یہ تمام پہلو دیکھتے ہوئے ان کے پاس یہ بات ماننے کے علاوہ کوئی رستہ نہیں کہ قرآن جس کا کلام ہے وہ سب سے بڑھ کر علم و حکمت رکھتا ہے، اہل دانش کی عقلیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اگر وہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصنیف کہتے ہیں تو ان سب باتوں کو بھی ماننا ہو گا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب انسانوں میں افضل ہونا ثابت ہو گا۔ ان تمام باتوں کو مد نظر رکھ کر یہ کہنا درست ہو گا کہ اس کائنات کا کوئی خالق موجود ہے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کوئی اس بات کا اہل نہیں کہ وہ اپنا پیغام انہیں دے کر اس دنیا میں بھیجے (جاری ہے)

حجیتِ حدیث اور منکرینِ حدیث کا رد

مولانا احمد نواز قادری

دین میں حدیث کی ضرورت و اہمیت:

کسی بھی شرعی مسئلہ پر چاہے وہ اعتقادی ہو یا عملی چار جگہوں سے دلائل دیئے جاتے ہیں:

1۔ کتاب اللہ

2۔ سنت رسول

3۔ اجماع امت

4۔ اور قیاس

کوئی بھی شرعی حکم ان میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہو سکتا بلکہ مقبول وہی ہو گا جس کی اصل مذکورہ اصول اربعہ ہوں۔ ان میں کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اس میں کبھی قرآنی مسائل کی وضاحت کی جاتی ہے کبھی ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کبھی اجمال کو دور کیا جاتا ہے لیکن کچھ لوگ اس کا اصلا انکار کرتے ہیں، عصر حاضر میں جب ہر طرف نیچریت، دہریت، لبرل ازم اور عقل کے پکے سچے غلام دندناتے پھر رہے ہیں اور چمن کے سادہ اور نازک آشیانہ افراد کو اپنی باطل و اندوہ ناک بہار کی طرف بلا رہے ہیں پھر ظلم پر ظلم یہ کہ تخت شاہی پہ براجمان، بے کسوں کے ترجمان انہیں بادہ خواروں کو اپنی عین محبت سے دیکھتے ہیں اور خوب ان کی پشت پناہی کرتے ہیں بجائے اس کے یہ اہل حقیقت کے اقوال، افعال اور اعمال کو چمن کے مکینوں میں فروغ دیں ان کے گہرے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں، دوسری طرف آلات جدیدہ کا بھی ان کی نماو افزائش میں مستند کردار ہے چند لمحات میں ان کی بھڑکائی آتش پورے بستاں کو زیر احاطہ کر لیتی ہے

اس لئے جدید تعلیم یافتہ اکثر افراد پر اس کا اثر و رسوخ ہمیں دکھائی دیتا ہے اور وہ آئے روز دین پہ طرح طرح کے طعن و تشنیع کرتے ہیں جس کی بدولت ہمیں ہر طرف سے ذوات مقدسہ اور اکابر پر سب و شتم نمناک مژگاں سے سننا پڑتا ہے، واضح رہے ان ساری مغالطہ آفرینیوں کا بڑا سبب عصر حاضر کی ناقص و مخلوط تعلیم بھی ہے جسے ترتیب ہی ایسے طریق پر دیا گیا ہے، مغرب جو موجودہ دور کا بڑا ظالم اور نام نہاد امن کے نام سے لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں کا خون چوس رہا اس کا بھی ایسے منکرین حدیث، اجماع، فقہ کی پشت پناہی میں بڑا ہاتھ ہے، حالانکہ اس کے التزام و حجیت پر خود قرآن ہی ناطق ہے ذیل میں ہم چند قرآنی آیات مبارکہ اس کی فضیلت اور حجیت پر پیش کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

ترجمہ: اور جو کچھ یہ رسول تمھیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ (سورۃ الحشر: 7)

معزز و محترم قارئین کرام اب دیکھئے اس آیت مبارکہ میں خود خالق کائنات نے ہمیں حکم فرمایا کہ میرے حبیب کی ہر بات تم پر ماننا لازم ہے اور فرمایا مجھ سے ڈرو میرے رسول کی نافرمانی کرنے سے بلکہ ان کی پیروی و اطاعت کو اپنے لئے غنیمت جانو، یہ آیت واضح طور پر حدیث کے حق و سچ نیز اس کی حجیت پہ بڑی دلیل ہے جس کا کوئی بھی مسلمان صاحب ایمان ذی عقل انکار نہیں کر سکتا، دوسری آیت کریمہ دیکھئے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۳) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۴)

ترجمہ: اور یہ رسول کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے یہ تو وہی کہتے ہیں جو انہیں وحی کی جاتی ہے۔ (سورۃ النجم: 3، 4)

اب دیکھئے اس آیت نے بات کو مزید پختہ کر دیا کہ رسول کی اتباع تمہارے لئے اس وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اپنی مرضی کی باتیں تم پر لازم نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ کے رسولوں کی یہ شان ہوتی ہے بلکہ وہ تو اپنے رب کے احکام کا ہی پرچار کرتے ہیں اس آیت کے پیش نظر اب کوئی آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعد حدیثوں کا استثناء بھی نہیں کر سکتا کیونکہ رسول کی بات ہوتی ہی وحی خدا ہے بس فرق یہ ہے کہ قرآن وحی متلو یعنی اس کی قراءت کی جاتی ہے جبکہ حدیث وحی غیر متلو ہے، مزید دیکھئے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (۳۳)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔ (سورۃ محمد:33)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: ہم نے رسول اسی لئے بھیجے کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے۔(النساء:64)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ

ترجمہ: تم فرمادو کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔(آل عمران:32)

اس طرح کی بے شمار آیات موجود ہیں جن کو قرآن مجید فرقان حمید کے اوراق مقدسہ میں دیکھا جاسکتا ہے جو صراحتاً حدیث کی حجیت، اس کے حق سچ ہونے اور امت کے لئے لازم ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

قارئین کرام ذرا انصاف کیجئے اور خود ہی بتائیں اگر منکرین حدیث قرآن مجید کو ماننے کا دعوی کرتے ہیں تو پھر کیوں قرآن کی آڑ میں حدیث کا انکار کرتے ہیں حالانکہ آپ نے خود یہ آیات پڑھیں جو حدیث کی حجیت اور اس کے ماننے کو لازم کر رہی ہیں پتہ چلا ان کا دعوی جھوٹا ہے، بس مقصد ان کا اس فعل شنیع سے سادہ لوح مسلمانوں میں انتشار پھیلانا اور انہیں دین سے دور کرنا ہے، اللہ جل وعلا ہمیں ان کے شر سے محفوظ فرمائے۔

منکرین احادیث کے بارے وعیدیں:

قائین کرام اب حدیث مبارکہ کی روشنی میں ان لوگوں کے بارے وعید سنئے۔ اس پر کئی آثار مروی ہیں مگر ہم اختصار کرتے ہیں:

أخبرنا الشافعي قال أخبرنا سفيان بن عيينة عن سالم أبي النضر عن عبيد الله بن أبي رافع عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته يأتيه الأمر مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول لا أدري ما وجدنا في

کتاب اللہ اتبعناہ امام شافعی۔(ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعي، کتاب الام، ج:7، ص:303، دار الفکر - البیروت، الطبعة الثانیة 1403ھ-ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ ص06:ج:1)

ترجمہ: امام شافعی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنے صوفہ پہ تکیہ لگائے بیٹھا ہو اس حالت میں اس کے پاس ایسی چیز آئے جس کا میں نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا ہو اور وہ کہے میں نہیں جانتا ہم تو صرف کتاب اللہ کی اتباع کریں گے۔یعنی میری حدیث اس کے سامنے بیان کی جائے اور وہ آگے سے اس کا رد کر دے یہ کہتے ہوئے کہ ہم صرف قرآن کے احکام کو مانیں گے اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جانتے حکم واضح ہے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔

"عن الحسن ، أن عمران بن حصين ، كان جالسا ومعه أصحابه فقال رجل من القوم: لا تحدثونا إلا بالقرآن، قال: فقال له: ادنه، فدنا، فقال: أرأيت لو وكلت أنت وأصحابك إلى القرآن أكنت تجد فيه صلاة الظهر أربعا وصلاة العصر أربعا والمغرب ثلاثا ، تقرأ في اثنتين ، أرأيت لو وكلت أنت وأصحابك إلى القرآن أكنت تجد الطواف بالبيت سبعا والطواف بالصفا والمروة ، ثم قال: أي قوم خذوا عنا فإنكم ، والله إلا تفعلوا لتضلن خطیب بغدادی۔(ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی، الکفایہ فی علم الروایہ، ص: 9 دائرۃ المعارف العثمانیہ - حیدر آباد الدکن الطبعة الاولی)

ترجمہ: حضرت حسن بصری عمران بن حصین بیان کرتے ہیں: کہ آپ اپنے طلباء کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے کسی نے کہا آپ ہمیں صرف قرآن بیان کریں آپ نے فرمایا: میرے قریب آؤ جب وہ قریب ہوا تو آپ نے اسے فرمایا: اگر تجھے اور ساتھیوں کو کہا جائے کہ قرآن سے ظھر کی چار رکعتیں نکال کے دکھاؤ اور ایسے ہی صفا و مروہ کا طواف سات مرتبہ قرآن سے ثابت کرو تو کیا ایسا کر لوگے۔ آپ نے اسے عقلی دلیل سے سمجھایا کہ تم دعوی یہ کرتے ہو ہم صرف قرآن کی بات قبول کریں گے اور تمہاری حالت یہ ہے کہ نماز ظھر کی چار

رکعات بھی قرآن سے نکال کر دکھا نہیں سکتے آپ کا مطلب یہ تھا کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ضروری ہے ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے وگرنہ ہمیں بہت سے مسائل نہیں ملیں گے، حضرت ابو قلابہ کا سخت فتویٰ بھی دیکھ لیجئے:

عن أبي قلابة قال: إذا حدثت الرجل بالسنة فقال: دعنا من هذا وهات كتاب الله، فاعلم أنه ضال ابن سعد، محمد بن سعد بن منيع الزهري (الطبقات الكبرى، ج 9، ص: 183، مكتبة الخانجي القاهره الطبعة الاولى)

ترجمہ: آپ فرماتے ہیں: جب تو کسی کو حدیث بیان کرے اور وہ آگے سے کہے اس کو چھوڑو ہمیں قرآن بیان کرو تو جان لے ایسے لوگ گمراہ کرنے والے ہیں۔ یعنی ایسوں سے دور رہنا کیونکہ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور تمہیں بھی گمراہ کر دیں گے۔

حدیث کیوں ضروری ہے؟

اب ہم اس بحث کو مزید امثلہ سے واضح کرتے ہیں کہ حدیث کیوں ضروری ہے اس کی دین میں اہمیت وافادیت کیا ہے؟ دیکھئے: مثلاً احکام شرع میں سے نماز کو ہی لیجئے اس کا قرآن کریم میں کئی مرتبہ حکم دیا گیا ہے اس سے نماز کی فرضیت قطعی تو ثابت ہوگئی مگر اس کو ادا کیسے کیا جائے گا؟ کب اس کا وقت شروع ہوگا اور کب ختم؟ ہر نماز کی کتنی رکعات ہیں پھر ان میں فرض سنن کی بحث الگ؟ اس کے ارکان و شرائط، فرائض و واجبات سنن و مستحبات کیا ہیں؟ پھر کس پر واجب ہے اور کس پر نہیں؟ وغیرہ بے شمار ایسے مسائل ہیں جو ہمیں صرف حدیث میں ہی ملیں گے۔

زکوۃ کی بات کریں تو وہ بھی ایسے ہی ہے اس کی فرضیت و اہمیت تو قرآن مجید نے بیان فرمادی مگر اس کا طریقہ کیا ہے؟ نصاب کتنا ہو تو زکوۃ لازم ہوگی وگرنہ نہیں؟ کس پر فرض ہے اور کس پر نہیں؟ ایسے ہی حج ہے اس کو بھی آپ نے کرکے دکھایا کہ ایسے کرنا ہے اور یہ یہ چیزیں اس میں لازم ہیں اور یہ نہیں اس طرح کی کئی امثلہ پیش کی جاسکتی ہیں المختصر ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی عملی تفسیر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے جس کے ذریعے ہمیں پتہ چلتا ہے یہ کام اس وقت کرنا ہے اور یہ اس وقت بجالانا ہے کس کے لئے اس میں رخصت ہے

اور کس کے لئے نہیں۔(ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحیی المعروف ابن مندہ المتوفی 310-395ھ) نے اپنی کتاب مستطاب " فضل الاخبار و شرح مذاھب اہل الآثار " میں حدیث کی فضیلت و اہمیت پر بہت سی آیات اور اس طرح کی امثلہ پیش کی ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کر دیا تفصیل کے لئے کتاب ہذا کا مطالعہ فرمائیں، آخر میں آپ نے نتیجہ یوں بیان کیا:

فكان صلى الله عَلَيْهِ وعلى آله وأصحابه وأزواجه وسلم للمحكم مبلغا وللتأويل مبينًا وللمجمل مفسرًا فلم يبق من دين الله شيء يخرج عن جملة كتابه ولا سنة نبيه صلى الله عليه وسلم

ابن منده ، ابو عبدالله محمد بن اسحاق بن محمد بن يحيى العبدى (فضل الاخبار و شرح مذاھب اہل الآثار ، ص: 31، مطبوعہ : دار المسلم الریاض، الطبعۃ الاولی (1414ھ)

ترجمہ : اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محکم آیات پہنچانے والے ہیں مؤول آیات کی تاویل اور مجمل کی تفسیر کرنے والے ہیں سو اس کے سبب کوئی بھی چیز کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خارج نہیں ۔ یہ آپ کا فرمان بلکل صداقت پہ مبنی ہے جسے اہل علم اچھی طرح جان سکتے ہیں کیونکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی قرآن کریم کی بعض آیات کو خاص کرتی ہے بعض کو عام بعض کو منسوخ بعض کی تاویل اور کسی کی تفصیل کرتی ہے ۔

منکرین حدیث کے بنیادی اعتراض کا تفصیلی جواب:

قارئین ذي احتشام منکرین حدیث، حدیث کے معتبر ہونے پر ایک بڑا اعتراض کرتے ہیں اور یہی ان کا بنیادی اعتراض ہے اور وہ یہ کہ حدیث کی تدوین بعد میں ہوئی اس لئے معتبر نہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ذرا تفصیل سے کلام کریں۔

حدیث کی تدوین کب اور کیسے ہوئی؟

اب ہم دلائل باہرہ، عظیمہ غالبہ ، ظاہرہ سے ثابت کریں گے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدوین کب اور کس عالی طریقہ سے ہوئی جس کی مثال ہمیں تاریخ عالم میں نہیں ملتی جس کے معترف اپنے تو کجا غیر بھی ہیں اور جس سے آنکھوں پہ پڑی غبار ہٹے گی ، کانوں کے سارے پردے

کھلیں گے، قلوب کی کھڑکیاں روشن ہو نگی عقلوں پہ تازگی آئے گی، دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آخر تک ہم اسلاف کی کتب اور ان کے اقوال وانعال سے اپنے مدعی کو بیان کرتے ہیں اولاً زمانہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھئے :

کتابت حدیث:

تدوین حدیث دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں:

کتابت حدیث کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں ہی ہوگیا تھا جو آگے مسلسل جاری رہا مختلف صورتوں میں حدیث کو لکھا جاتا رہا ابتداء چونکہ اتنے وسائل اور باقاعدہ کتاب لکھنے کا رواج نہیں تھا اس لئے اسے کھجور کی چھالوں، ہڈیوں اور پتوں پہ لکھا جاتا رہا پھر انہیں مختلف صحیفوں میں جمع کیا جاتا رہا اور دور تابعین میں انہیں باقاعدہ کتابی شکل دی جانے لگی۔

چنانچہ عظیم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محدث امت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا اپنا واقعہ سنئے جو سنن ابی داود، مصنف ابن ابی شیبہ، دیلمی، الطبکات الکبری تاریخ دمشق کے علاوہ درجنوں ماخذ میں موجود ہے:

عن عبد الله بن عمرو قال: كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم وأريد حفظه، فنهتني قريش عن ذلك (قالوا تكتب كل شيء تسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم ورسول الله صلى الله عليه وسلم يتكلم في الرضى) والغضب، قال: فأمسكت فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فأشار بيده إلى فيه فقال: اكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه الاحق (ابو بکر بن ابی شیبہ، ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسي الكوفي، مصنف ابن ابی شیبہ، ج:14، ص:454، دار کنوز اشبیلیا- الریاض، الطبعۃ الاولی 1436 - امام ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق الازدی السجستانی، سنن ابی داؤد شریف، ج3، ص:318، المكتبۃ العصریہ- بیروت)

ترجمہ: آپ فرماتے ہیں: میں جو بات بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتا اسے لکھ لیتا اور میری نیت اسے یاد کرنے کی تھی قریش کے کچھ افراد نے مجھے روک دیا اور کہا تم ہر چیز لکھ لیتے ہو حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ناراضگی کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی کی حالت میں

فرماتے ہیں میں لکھنے سے رک گیا اور یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دہن اقدس کی طرف انگلی کا اشارہ کرکے فرمایا: لکھا کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

محترم قارئین یہ ڈھائی سو سال بعد کی تدوین کا ذکر نہیں ہو رہا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک کی بات ہو رہی ہے اسی کی مزید تاکید حضرت ابوہریرہ کے فرمان سے سنئے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج کیا:

يقول: ما من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أحد أكثر حديثا عنه مني، إلا كان من عبد الله بن عمرو، فإنه كان يكتب ولا أكتب" (صحیح بخاری شریف، ج: 1، ص: 89، مکتبہ رحمانیہ رنگین نسخہ)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ کوئی بھی حدیثیں بیان کرنے والا نہیں سوائے عبد اللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا،

یاد رہے آپ کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث بالکل نہیں لکھتے تھے بلکہ آپ نے بھی احادیث کو لکھا ہوا تھا جیسا کہ آگے ہم اس پہ گفتگو کریں گے یہاں مراد ہے کہ آپ باقاعدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہیں لکھا کرتے تھے حضرت عبداللہ کی طرح بعد میں وقتا فوقتا تحریر کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کا ہی ایک اور واقعہ دیکھئے:

وعن عبد الله بن عمرو قال: كان عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ناس من أصحابه وأنا معهم، وأنا أصغر القوم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار، فلما خرج القوم قلت: كيف تحدثون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد سمعتم ما قال وأنتم تنهمكون في الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فضحكوا فقالوا: يا ابن أخينا، إن كل ما سمعنا منه عندنا في كتاب۔ (نور الدین الھیثمی، ابوالحسن نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الھیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ج: 2، ص: 427، دار المامون-التراث)

ترجمہ: فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے میں بھی ان کے ساتھ تھا اور میں عمر کے لحاظ سے ان میں چھوٹا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ حدیث بیان کی: "جس نے میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی اسے چاہیے اپنا ٹھکانا جہنم بنالے" جب وہ لوگ باہر آئے میں نے ان سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہو حالانکہ تم نے اس پر ابھی وعید سنی ہے وہ ہنس پڑے اور مجھے کہا اے بھتیجے ہم جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے ہیں وہ ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

یعنی آپ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کررہے ہیں اس لئے صحابہ کرام کے احادیث بیان کرنے پر تعجب کیا، اس کے علاوہ بھی کئی صحابہ کرام نے حدیث لکھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں منع نہیں کیا بلکہ اجازت عطاء فرمائی جیسے مجمع الزوائد کے اسی صفحہ پر ہے حضرت رافع بن خدیج نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتابت حدیث کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لکھو کوئی حرج نہیں"، بخاری شریف کی کتاب العلم باب کتابۃ العلم میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ دیا یمن کے ایک شخص ابوشاہ نے کہا: یارسول اللہ اسے میرے لئے لکھوا دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "اکتبوا لابی "فلان" اس کو یہ خطبہ لکھ دو۔

تدوین حدیث دور صحابہ میں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم حدیثیں لکھا کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد یہ سلسلہ مزید تیز ہوگیا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں انہیں جو بھی مسئلہ درپیش ہوتا اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر پوچھ لیتے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے ساتھ وحی کا سلسلہ ختم ہوا اور ضرورت محسوس ہوئی احکام شرع کو لکھنے کی اس لئے اس کام کی طرف بھی توجہ پہلے سے زیادہ ہوگئی صحابہ کرام پوری دنیا میں دین کی ترویج و اشاعت کے لئے پھیل گئے علم کے پیاسوں کو قرآن وحدیث سے سیراب کرتے چنانچہ حضرت انس بن

مالک جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجلہ صحابہ میں سے ہیں اور دس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گزارے تو حدیثیں لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا بھی چکے تھے۔

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں: قال: كان أنس إذا حدث فكثر عليه الناس في الحديث، جاء بمجال له، فألقاها إليهم ثم قال: هذه أحاديث سمعتها وكتبتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عرضتها عليه ابوبكر البيهقي (ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی، المدخل الی السنن الکبری، ج:2، ص: 842، دار الیسر-القاہرہ الطبعۃ الاولی 1437ھ)

ترجمہ: آپ فرماتے ہیں: حضرت انس لوگوں کو حدیث بیان کیا کرتے تھے جب افراد زیادہ ہو جاتے تو آپ اپنی کتابوں میں سے ایک بڑا صحیفہ لا کر ان کے سامنے رکھ دیتے پھر فرماتے: یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر لکھی ہیں اور یہ آپ کو سنا بھی چکا ہوں۔

تدوین حدیث کبار تابعین کے دور میں: جس طرح صحابہ کرام نے اپنے زمانہ میں حدیث کو ہر طرف پھیلایا اور اسے لکھا ان کے بعد ان کے شاگردوں نے بھی اس میں کمی نہ چھوڑی اور اسے دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا پھر یہ دور علم حدیث کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے ہر شہر میں محدثین کی ایک بڑی تعداد موجود ہوتی جگہ جگہ سماع حدیث کی مجالس منعقد ہوتی تھیں علم الاسناد اور علم الرجال کی یہیں سے ابتدا ہوئی حدیث کو باقاعدہ سند کے ساتھ بیان کیا جاتا اور راویوں کی جانچ پڑتال کے بعد حدیث کو قبول کیا جاتا تھا، اسی دور میں محدثین نے ادا و تحمل کے سخت اصول وضع کئے جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی، یہاں ہم ان چند تابعین کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اجلہ صحابہ سے حدیثیں سن کر لکھی ہوئی تھیں۔

عصر قریب کے عظیم محقق علامہ غلام رسول سعیدی قدس سرہ نے تذکرۃ المحدثین کے مقدمہ میں درج ذیل اسماء بیان کئے ہیں:

حضرت ابوہریرہ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (5374) احادیث مروی ہیں انہیں آپ کے شاگرد بشیر بن نہیک نے لکھ کر محفوظ کیا ہوا تھا، حضرت عبد اللہ بن عباس سے ایک ہزار چھے سو ساٹھ

(1660)حدیثیں مروی ہیں انہیں آپ کے شاگرد کریب نے لکھ کر محفوظ کیا ہوا تھا، حضرت انس سے دو ہزار دو سو چھیاسی (2286) مرویات ہیں انہیں آپ کے شاگرد ابان نے لکھ کر یاد کیا ہوا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے دو ہزار دو سو دس (2210)حدیثیں مروی ہیں انہیں آپ کے شاگرد عروہ بن زبیر نے لکھ کر یاد کیا ہوا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک ہزار چھے سو تیس (1630)روایات ہیں انہیں آپ کے شاگرد خاص حضرت نافع نے لکھ کر محفوظ کیا ہوا تھا، حضرت جابر سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (1540) احادیث مروی ہیں انہیں آپ کے شاگرد قتادہ بن دعامہ سروسی نے لکھ کر محفوظ کیا ہوا تھا تذکرۃ المحدثین، ص:31، 32ملخصا مکتبہ-ضیاء القرآن)

قارئین یہ تو صرف چند امثلہ ہیں جو ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں اس کے علاوہ بھی ہزاروں واقعات ہیں جو تشنگان علم اور شائقین حقیقت کو اوراق تاریخ اور اسلاف کی مبساطات، مطولات، مختصرات اور منظومات میں ورق گردانی سے مل جائیں گے۔

منکرین حدیث سے کچھ سوالات: تم حدیث یہ کہہ کر رد کرتے ہو کہ یہ ظنی ہے، قطعی نہیں تو قرآن مجید کو ماننے کا دعوی تو تم بھی کرتے ہو کیا قرآن مجید جس طرح قطعی الثبوت ہے اسی طرح قطعی الدلالۃ بھی ہے؟

اگر ہے تو قرآن مجید میں مذکور لفظ "قروء" اور اس کی مثل کا تمہارے نزدیک قطعی معنی کیسے ہے؟

تم کہتے ہو ہم حدیث نہیں مانتے بلکہ سنت کو مانتے ہیں تمہارے نزدیک سنت سے کیا مراد ہے؟

پھر اس کو تم اپنی اصطلاح میں بولتے ہو یا جو سنت کا معنی سلف وخلف نے لیا وہی مراد لیتے ہو؟

سنت تو اپنے معنی کے لحاظ سے عام ہے جس کام کو حضور نے ایک مرتبہ بھی کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں شامل ہے، آیا تم سنت کو کس اصول کی بنیاد پر واجب، مؤکدہ، غیر مؤکدہ اور مستحب کے معنی میں لیتے ہو؟

تم سنت کو مانتے ہو اور حدیث کو نہیں مانتے تو وہ کونسے اصول ہیں تمہارے ہاں جن کی بنیاد پر سنت قابل عمل ہے لیکن حدیث نہیں؟ حالانکہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں۔

ان شاء اللہ ان اعتراضات کا جواب کبھی نہیں دے پائیں گے اگر دیں گے تو پھر انہیں اپنے باطل نظریہ سے ہاتھ دھونا پڑھے گا۔

رؤیت باری تعالیٰ اور عقیدۂ اہلسنت

از: مولانا غلام نبی سندھی

اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار عقلاً ممکن ہے۔ اس عقیدے پر عقلی دلائل بھی موجود ہیں، قرآن پاک کی کثیر آیات اور احادیث طیبہ سے بھی یہ عقیدہ ثابت ہے، یہی صحابہ کرام کا متفقہ عقیدہ ہے اور اسی پر تمام اہلسنت کا اجماع ہے۔

اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ آخرت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا، باقی رہا کہ دنیا میں اس کا وقوع ہوا ہے یا نہیں تو اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کے اندر جاگتی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور خواب میں دیگر انبیا، اولیا و صالحین کو بھی ہوا ہے۔

دیدار الٰہی کے ممکن ہونے پر عقلی دلائل:

(1) جوہر (مثلاً کسی بھی جسم کے طول و عرض) کو بھی دیکھا جا سکتا ہے اور اعراض (مثلاً رنگ، روشنی وغیرہ) کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی ایسی علت ہونی چاہیے جو دونوں میں مشترک ہو کیونکہ ایک جیسے احکام کی مختلف علتیں ہونا عقلاً نا ممکن ہے اور جوہر اور عرض دونوں میں "وجود" مشترک ہے۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو ذات "موجود" ہو گی اسے دیکھنا عقلاً درست ہو گا اور اللہ تعالیٰ بھی "موجود" ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھنا عقلاً درست ہے۔ امام اشعری رحمہ اللہ (متوفی 324) الابانۃ عن اصول الدیانۃ میں فرماتے ہیں:

آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ موجود ہے تو

ممکن ہے کہ اللہ تعالٰی ہمیں اپنے دیدار سے مشرف فرمادے، کیونکہ جس کو دیکھنا ممکن نہیں ہوتا، وہ معدوم ہوتا ہے تو جب اللہ تعالٰی کا موجود ہونا ثابت ہے تو یہ محال نہیں ہے کہ وہ ہمیں اپنی رؤیت سے مشرف فرمادے (الابانۃ عن اصول، ص 51، 52)

(2) عقلی اصول یہ ہے کہ جو ذات اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی وہ اشیا کو بھی نہیں دیکھ سکتی ہے اور جو ذات اپنے آپ کو دیکھ سکتی ہے، دوسروں کا بھی اسے دیکھنا ممکن ہوتا ہے - جب یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالٰی اشیا کو دیکھتا ہے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالٰی خود اپنی ذات کو بھی دیکھ سکتا ہے اور جب اللہ تعالٰی خود اپنی ذات کو دیکھ سکتا ہے تو ثابت ہوا کہ ہمارا اس ذات کے دیدار سے مشرف ہونا بھی عقلاً ممکن ہے۔

المعتقد المنتقد میں علامہ فضل الرسول بدایونی رحمہ اللہ (متوفی 1289) فرماتے ہیں: ہمارے ہاں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی مقدس ذات کو دیکھتا ہے۔ (المعتقد المنتقد 136)

(2) اگر عقل کو بلکل خالی چھوڑ دیا جائے اور کوئی دلیل پیش نہ کی جائے، تو عقل خود بھی رؤیت باری تعالٰی کو ممکن سمجھتی ہے اور اس کے محال ہونے کا حکم نہیں لگاتی۔ اگر رؤیت باری تعالٰی عقلاً محال ہوتی تو اسے کسی دلیل کی ضرورت نہ پڑتی اور عقل اصلاً رؤیت باری تعالٰی کے ممکن ہونے کا انکار کرتی، کیونکہ اصل اللہ تعالٰی کے علاوہ ہر چیز کا نہ ہونا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر عقل کو بالکل خالی چھوڑ دیا جائے تو جب تک رؤیت باری تعالٰی کے محال ہونے پر کوئی دلیل پیش نہ کی جائے اس وقت تک عقل رؤیت باری تعالٰی کے محال ہونے کا حکم نہیں لگاتی جبکہ اصل (اللہ تعالٰی کے علاوہ ہر چیز کا) عدم ہونا ہے۔ (شرح عقائد النسفیہ، ص 263)

(3) رؤیت کے لئے جسے دیکھا جا رہا ہے اس کا جسم، جہت اور رنگ والا ہونا ضروری و مشروط نہیں ہے، بلکہ رؤیت اللہ تعالٰی کی تخلیق ہے (کہ وہ جس کے لئے چاہے، جتنی چاہے، تخلیق فرمادے)

اسی لئے یہ بات عقلاً ممکن ہے کہ چین میں بیٹھا شخص مغرب میں واقع اندلس میں مچھر کو اڑتا ہوا دیکھ لے، ہاں عادت الٰہیہ یہی جاری ہے کہ اللہ تعالٰی اسباب مذکورہ کے تحت ہی رؤیت کو تخلیق فرماتا ہے اور ان اسباب کے نہ ہونے پر تخلیق نہیں فرماتا،

لیکن ممکن ہے کہ وہ جس کے لئے چاہے خارق عادت تخلیق فرمادے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پیچھے بھی ایسے دیکھتے تھے جیسے آگے دیکھتے تھے۔(شرح عقائد النسفیہ ص272)

(4) رؤیت کے لئے جسے دیکھا جارہا ہے اس کا جہت اور رنگ والا ہونا ضروری و مشروط تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ بات ممکن ہے کہ یہ شرائط فقط دنیاوی معاملات میں ہوں یا جوہر اور اعراض کے دیکھنے کے متعلق ہوں اور اخروی معاملات اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت میں شرائط نہ ہوں۔ (النبراس شرح عقائد النسفیہ، ص272) لہٰذا اس سے کسی بھی طرح اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً محال ثابت نہیں ہوتی۔

دیدارِ الٰہی کے ممکن ہونے پر شرعی دلائل:

(5) قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کا سوال کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار عقلاً ممکن نہ ہوتا، تو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی درخواست نہ کرتے؛ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی اور کلیم ہیں، لہٰذا یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کو یہ تک معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کیا عقائد رکھنا ضروری ہیں اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ آپ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ناممکن و محال ہے پھر بھی عرض کی، کیوں کہ ناممکن کی درخواست کرنا عبث و کم عقلی ہے اور انبیائے کرام اس سے پاک ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِیْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ

ترجمہ: اور جب موسیٰ ہمارے وعدے کے وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا، تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا تاکہ میں تیرا دیدار کرلوں۔ (پارہ 9، سورہ الاعراف، آیت نمبر: 143)

کتاب المواقف میں علامہ عضد الدین ایجی رحمہ اللہ (متوفی 756ھ) فرماتے ہیں: حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کا سوال کیا۔ اگر رؤیت ناممکن ہوتی تو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہرگز اس کا سوال نہ کرتے کیونکہ یا تو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے ناممکن ہونے کا معلوم ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر معلوم مانیں (کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممکن) تو ایک عاقل شخص بھی ناممکن

چیز کا سوال نہیں کرتا، کہ یہ ایک فالتو کام ہے (چہ جائیکہ ایک جلیل القدر نبی سے اس کا تصور کیا جائے) اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ ہو (کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً ممکن نہیں) تو ایسا شخص جس کو یہ تک معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کیا بات ممکن ہے اور کیا بات ناممکن ہے، وہ نبی کلیم نہیں ہو سکتا (کتاب المواقف، جلد 3، صفحہ 158)

شرح عقیدہ الطحاویہ میں ہے: اللہ تعالیٰ کے کلیم، رسول کریم اور اپنے زمانے کے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے کے بارے میں ایسا گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کریں جو اللہ تعالیٰ کے حق میں ممکن نہ ہو (شرح عقیدہ الطحاویہ ص 156)

(7) اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ

ترجمہ: تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا تاکہ میں تیرا دیدار کرلوں۔ (اللہ نے) فرمایا: تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ (پارہ 9، سورہ الاعراف، آیت نمبر: 143)

اس آیت کے تحت مفاتیح الغیب میں امام رازی رحمہ اللہ (متوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممکن ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن نہ ہوتا تو جواباً مجھے دیکھا نہیں جاسکتا کہا جاتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ میں پتھر ہو اور اسے دوسرا آدمی کہے: یہ مجھے دو میں اسے کھاؤں گا۔ تو اسے وہ جواب دے گا: یہ کھایا نہیں جاسکتا یہ جواب نہیں دے گا: تو اسے نہیں کھا سکتا اور اگر اس شخص کے ہاتھ میں پتھر کے بجائے سیب ہو تو اسے جواب دیا جائے گا: تو اسے نہیں کھا سکتا یعنی اسے کھایا جا سکتا ہے لیکن تو نہیں کھا سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے مجھے دیکھا نہیں جاسکتا کے بجائے تو مجھے نہیں دیکھ سکتا فرمانے سے پتا چل گیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ جواب اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ فی نفسہٖ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے۔ (التفسیر الکبیر للرازی، جلد 14، ص 355)

احادیث طیبہ سے دلائل: (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم اللہ عزوجل کو قیامت میں دیکھیں گے؟ فرمایا کیا

تمہیں چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں تکلف ہوتا ہے؟ عرض کی نہیں، کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں تکلف ہوتا ہے، جس کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں؟ عرض کی نہیں، فرمایا تم اسے (یعنی اللہ) بھی اس طرح دیکھو گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، جزء1، ص163)

(2)حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی معنی کے ساتھ مروی ہے اور لفظ یہ ہیں کہ تم قیامت کے دن اللہ عزوجل کا دیدار بلا تکلف کروگے، جس طرح ایک دوسرے کو بلا تکلف دیکھتے ہو۔(صحیح مسلم، کتاب الایمان، جزء1، ص167)

(3)جریر بن عبد اللہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ تم اپنے رب کو بلاشک و شبہ دیکھو گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ نے چاند کی طرف نظر رحمت کی اور فرمایا: تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، کہ اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی شک نہیں۔(مسلم، جزء1، ص439)

دیدار الٰہی کے عقلاً ممکن ہونے پر اجماع: رؤیت باری تعالیٰ کے عقلاً ممکن ہونے پر صحابہ کرام اور ان کے بعد تمام اہلسنت کا اجماع ہے۔ حضرت امام ابو زکریا محی الدین النووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جان لو کہ اہلسنت کا اجماعی مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے، محال عقلی نہیں ہے۔

اور اسی طرح اہلسنت کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور مؤمنین اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، نہ کہ کافر۔ تحقیق قرآن و سنت اور صحابہ کرام اور ان کے بعد کے اسلافِ امت علیہم الرضوان کے اجماع کے دلائل، آخرت میں مؤمنین کے لیے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے اثبات پر ظاہر ہیں۔ اور تقریباً بیس صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اسے روایت کیا ہے اور قرآن مجید کی آیات اس بارے میں مشہور ہیں۔ (المنہاج شرح مسلم 3/15)

شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے: اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے ثبوت کے متعلق صحابہ، تابعین، مشہور ائمہ اسلام، محدثین اور اہلسنت و جماعت کہلانے والے تمام متکلمین متفق ہیں۔ رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ

اصول دین کے اشرف واجل مسائل میں سے ایک ہے۔(شرح عقیدہ الطحاویہ، ص153)

آخرت میں مؤمنین کو رب العالمین کا دیدار نصیب ہو گا:اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ مومنین کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔ اہلسنت کا یہ عقیدہ قرآن وحدیث، اجماع صحابہ اور بزرگان دین کے کثیر دلائل سے ثابت ہے۔

(1) اللہ عزوجل کا فرمان : وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ(۲۲) اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ(۲۳) ترجمہ کنزالعرفان: کچھ چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے۔اپنے رب کو دیکھنے والے ہوں گے۔(پ29،القیامۃ:22،23)

اس آیت کی تفسیر بمعنی رؤیت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اہل جنت میں سب سے کم درجہ اس کا ہو گا جو اپنی جنت، ازواج، نعمتوں، اور خادمین کو ہزار سال دیکھے گا اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سب سے زیادہ اکرام والا وہ ہو گا جو صبح وشام اللہ عزوجل کا دیدار کرے گا پھر آپ نے یہ تلاوت فرمائی۔(سنن الترمذی، جزء 4، ص269)

(2) فرمان رب العزت ہے: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِیَادَةٌؕ ترجمہ: بھلائی کرنے والوں کے لیے بھلائی ہے اور اس سے بھی زیادہ ہے (پارہ 11، سورہ یونس، آیت 26)

جمہور کے نزدیک الحسنٰی سے مراد جنت ہے اور زیادۃ سے مراد رؤیت باری تعالیٰ ہے۔(ماخوذ از: مرام الکلام ص88،89 ملخصًا)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم !کیا ہم اللہ عزوجل کو قیامت میں دیکھیں گے ؟ فرمایا کیا تمہیں چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں تکلف ہوتا ہے ؟ عرض کی نہیں، کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں تکلف ہوتا ہے، جس کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں ؟ عرض کی نہیں، فرمایا تم اسے بھی اس طرح دیکھو گے۔(صحیح مسلم، ج4، ص163)

منح الروض الازھر میں ہے : آخرت میں مؤمنون کو رب العالمین کا دیدار نصیب ہو گا اور مؤمنین جنت میں سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا

دیدار کریں گے۔ (منح الروض الازھر، ص 148، 149)

امام عبد الغنی المقدسی رحمہ اللہ (متوفی 600ھ) لکھتے ہیں: اہل حق اور اہل توحید و صدق اس بات پر متفق و مجتمع ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا آخرت میں دیدار ہو گا۔(عقیدۃ الحافظ عبد الغنی المقدسی، ص58)

عورتوں کو بھی رب عزوجل کا دیدار نصیب ہو گا: حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ جنت میں ہر مؤمن کو دیدار الٰہی ہوا کرے گا مرد ہوں یا جنتی عورتیں، عورتوں کے متعلق اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ انہیں بھی دیدار الٰہی ہو گا۔ (مرآۃ المناجیح، ج7، ص517)

دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار: اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص ہے، باقی رہا قلبی دیدار یا خواب میں یہ دیگر انبیا علیہم السلام، بلکہ اولیا کے لئے بھی حاصل ہے۔

دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کو دیدار الٰہی حاصل ہونا، جائز نہیں، اس پر امت کا اجماع ہے۔ اس کے متعلق شرح مسلم، نجاح القاری، فتح الالہ، مرقاۃ المفاتیح وغیرہ کتب میں ہے کہ: دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے، لیکن متکلمین وغیرہ جمہور علمائے سلف و خلف اس پر ہیں کہ دنیا میں اس کا وقوع نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، جلد9، صفحہ 3601)

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مختار قول کے مطابق دنیا میں اللہ پاک کا دیدار ممکن ہے، لیکن بالاتفاق نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علاوہ کسی کے لئے واقع نہیں۔ (لمعات التنقیح، جلد9، ص136)

رسول اللہ کے دیدار الٰہی پر روایات: (1) اللہ کے رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رایت ربی تبارك و تعالیٰ یعنی میں نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا۔ (مسند احمد بن حنبل، 1/611، حدیث:2580)

(2) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ " رأى محمد ربه "یعنی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ (ترمذی، 5/185، حدیث:3290)

(3) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر فرماتے تھے: "لقد رأى محمد ربه "یعنی

محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ پاک کا دیدار کیا ہے۔(الشفاء،1/197)

(4) حضرت امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أنّہ رأی اللہ تعالیٰ ببصرہ و عینی راسہ" یعنی کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ (الشفاء، 1/198)

جو دنیا میں دیدار الٰہی یا ہم کلام ہونے کا دعویٰ کرے: جو شخص دنیا میں جاگتی آنکھوں سے دیدار الٰہی کا دعویٰ کرے اس کے متعلق منح الروض الازھر اور لمعات التنقیح میں ہے: امام اردبیلی نے اپنی کتاب الانوار میں فرمایا: اگر کوئی کہے کہ میں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو جاگتی آنکھوں سے دیکھا، یا اللہ تعالیٰ مجھ سے بذات خود کلام کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔ (منح الروض الازھر، ص356)

بہار شریعت میں ہے: دنیا میں بیداری میں اللہ عزوجل کے دیدار یا کلام حقیقی سے مشرف ہونا، اس کا جو اپنے لیے یا کسی ولی کے لیے دعویٰ کرے، وہ کافر ہے۔(بہار شریعت، ج1، ص270)

دنیا میں جاگتی آنکھوں سے پروردگار عزوجل کا دیدار، صرف سرکار نامدار، مدینے کے تاجدار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خاصہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص دنیا میں جاگتی حالت میں دیدار الٰہی کا دعویٰ کرے، اس پر حکم کفر ہے، جبکہ ایک قول اس کے بارے میں گمراہی کا بھی ہے۔ (کفریہ کلمات کے بارے میں سوال وجواب، ص288)

خواب میں دیدار الٰہی: جمہور علما کے نزدیک دنیا میں خواب کی حالت میں دیدار الٰہی ممکن ہے، ناممکن نہیں، بلکہ واقع بھی ہے، جیسا کہ بہت سے اسلاف سے منقول ہے۔(المعتقد المنتقد، ص58)

اقوال ملاحظہ فرمائیں:

(1) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں خواب میں دیدار الٰہی ہو سکتا ہے بلکہ واقع ہوا بھی ہے، ہمارے امام اعظم بھی اس نعمت سے مشرف ہوئے ہیں۔(اشعۃ اللمعات، ج4، ص449)

(2) حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں خواب میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوا، میں نے عرض کی: اے رب! تیرے نزدیک کونسا عمل افضل ہے جس کے ذریعے مقربین تیرا قرب حاصل کرتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: اے احمد! وہ میرا پاک کلام (قرآن مجید) ہے۔ میں نے عرض کی: اے رب! اسے سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے پڑھے۔ ارشاد فرمایا: سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے۔ (احیاء العلوم، 1/364)

اعلیٰ حضرت بحیثیت مصلحِ امت

از:مولاناعدنان حسن زار
(مدرس جامعۃ المدینہ علی پور چٹھہ)

معزز قارئین !فساددوطرح کا ہوتا ہے:

1۔عقیدے کا فساد

2۔عمل کا فساد

اگرچہ عمل کا فساد بھی برا ہے لیکن عقیدے کا فساد انتہائی خطرناک ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ دونوں مرض ہی انتہائی موذی و مہلک ہیں۔

جس طرح ہر بیماری کو علاج کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ہر فساد کو اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ارضِ گیتی پر ہر دور میں فساد برپا ہوتا رہا ہے اوراس کی اصلاح بھی ہوتی رہی ہے ، بلکہ اللہ کریم نے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے ان کی بعثت کا مقصد بھی" اصلاح "تھا۔ وہ اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق بنی نوع انسان کے عقائدواعمال کی اصلاح کرتے رہے ۔جس کی امثلہ قرآن وسنت میں کثیر ہیں: ہمارے آقاومولا صلی اللہ علیہ وسلم پر دورِ نبوت و رسالت تام ہوا،اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا ۔ لیکن جب تک انسان باقی ہیں فساد کا برپا ہونا عام سی بات ہے ، لہذا اب اصلاح کی ذمہ داری وارثینِ انبیاء یعنی علمائے کرام کے کندھوں پر ہے۔

اس ذمہ داری کو بأحسن و خوبی جن علمائے کرام نے نبھایا ہے انھیں میں سے ایک معروف و مشہور شخصیت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے،

بلاشبہ آپ ایک عظیم مفکر، وسیع النظر مدبر ، مصلحِ امت، عاملِ قرآن و سنت مجدد دین وملت اور متبحر عالمِ دین ہیں۔

آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے حصول کی کوششوں میں گزرا۔

آپ نے ہر دو میدان میں امت کی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا ہے، چاہے وہ عقیدے کا فساد ہو یا عمل کا آپ کی ذات والاصفات ہر فساد کے آگے سدِ سکندری ثابت ہوئی ہے۔

یہاں ذیل میں ہم دونوں طرح کے فساد کی اصلاح میں امام اہلسنت کی چند خدمات عرض کرتے ہیں۔

عقیدے کی اصلاح: عقیدے کی اصلاح کے باب میں اگر دیکھا جائے تو اس پر آپ علیہ الرحمہ کی متعدد کتب و سینکڑوں فتاوی جات موجود ہیں۔

عقائد کی اصلاح پر مشتمل آپ کی مشہور کتاب بنام "اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والاصحاب" انتہائی اہمیت کی حامل ہے، اس کتاب میں آپ نے ایسے دس عقیدوں کو انتہائی جامعیت سے بیان کیا ہے جن کے انکار سے کفر یا گمراہی لازم آتی ہے۔ یہ کتاب ایسے دس نگینوں کی لڑی ہے کہ جو اسے سمجھ کر پڑھ لے اللہ کے فضل و کرم سے نہ بھٹکے نہ بے راہ چلے۔

اس کو مکتبۃ المدینہ نے "دس اسلامی عقیدے" کے نام سے شرح کے ساتھ شائع کیا ہے۔

آپ کے دور میں جب فتنہء انکارِ ختم نبوت پھیلا اور قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر حملہ کیا جس سے اہل ایمان کے دل زخمی ہوئے تو امام اہلسنت نے اس موضوع پر حسب ذیل 5 کتب

1۔جزی اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ

2۔تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال

3۔المبین ختم النبیین

4۔جوابھائے ترکی بہ ترکی

5۔الھیبۃ الجباریۃ علی جہالۃ الاخباریۃ

تصنیف فرما کر اہل ایمان کے قلوب کو تسکین بخشی اور قاسم نانوتوی کے ہفوات کا رد بلیغ کیا۔اور بالخصوص قادیانیت کے رد میں حسبِ ذیل معرکۃ الآرا کتب تصانیف فرمائیں:

1۔السؤ و العقاب علی المسیح الکذاب

2۔الصارم الربانی علی اسراف القادیانی

3۔قھرالدیان علی مرتد بقادیان

عقائد کے باب میں آپ کی خدمات کو اگر تفصیلاً تحریر کیا جائے تو دفتر درکار ہیں یہاں مختصراً چند چیزیں عرض کرتا ہوں۔

"فتنہء امکان کذب باری تعالی" کے رد میں 7 کتب ،اور "نبی سے برابری کے دعوی" کے فتنے کے رد میں 3 کتب،"فتنہء اعتقادِ شرک دربابِ استعانت و استغاثہ" کے رد میں 3 کتب ،"فتنہء انکارِ علمِ غیب "کے رد میں 14 کتب، "فتنہء غیر مقلدیت "کے رد میں تقریباً 23 کتب،"فتنہء روافض "کے رد میں 12 کتب "دفاعِ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ " کے موضوع پہ 4 کتب تصانیف فرمائیں۔

ان کے علاوہ امام اہل سنت کی تقریباً 1000 کتب ہیں جن میں ایسے موضوعات کے خلاف قلم اٹھایا جو اپنے وقت کے سلگتے ہوئے موضوعات تھے اور ایمان و عمل کے لیے انتہائی مہلک تھے اور فتنہ وفساد کا در وا کرنے والے تھے۔

عمل کی اصلاح:ویسے تو عمل کی اصلاح کے لیے بھی آپ نے متعدد کتب اور سینکڑوں فتاویٰ جات تحریر فرمائے ہیں ۔ لیکن ہم یہاں چند باتیں اور اندازِ اصلاح کے متعلق دوواقعات عرض کرتے ہیں ۔

سجدہء تعظیمی حرام ہے:سجدۂ تعظیمی کو بعض جہلاء نے رائج کیا اوراس کو جاہل صوفیوں اور پیروں نے فروغ دیا، پیروں کو سجدہ کرنے اور ان کے انتقال کے بعدان کی قبر کو سجدہ کرنے کی بدعت کو پھیلایا اوربعض خانقاہوں میں یہ خلاف شریعت حرکت ہونے لگی ، آپ علیہ الرحمہ اس خلاف شریعت حرکت کے خلاف بڑی سختی سے پیش آئے اور آپ نے متعدد

آیات ، چالیس مستند احادیث ، ایک سو دس فقہی نصوص اور بزرگان دین کے اقوالِ کثیرہ سے سجدہ تعظیمی کے حرام ہونے پر ایک معرکۃ الآرا کتاب بنام" الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ"تحریر فرمائی۔اس میں لکھا کہ

سجدہ حضرت جل جلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔اس کے غیر کو سجدہء عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین و کفر مبین اور سجدہء تحیۃ حرام گناہ کبیرہ بالیقین۔عالموں اور بزرگوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔

مزارات کو سجدہ یا اس کے سامنے زمین چومنا حرام ہے۔ مزار کو سجدہ درکنار ، کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو سجدہ جائز نہیں ، اگرچہ قبلہ کی طرف ہو۔

عورتوں کا مزارات پہ جانا:

اولیاء اللہ کے مزارات پر عورتوں کی حاضری کے متعلق جب امام احمد رضا محدث بریلوی سے استفتاء کیا گیا تو آپ نے سخت الفاظ میں اس کی ممانعت فرمائی اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ

یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزاروں پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدرلعنت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے ۔جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اورجب تک واپسی آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں ۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت ص315)

اس موضوع پر آپ نے مستقل دو کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ اب امام اہلسنت کے انداز اصلاح کے متعلق دوواقعات ملاحظہ فرمایئے ایک واقعہ بچپن کا ہے اور ایک بڑی عمر کا۔ اللہ کریم نے آپ کی زبان میں ایسی تاثیر رکھی تھی کہ جس کی بھی اصلاح فرماتے وہ خندہ پیشانی سے قبول کرتا اور تائب ہوتا۔ ایسا کیوں نا ہو کہ

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

استاذ صاحب سے گزارش:

ایک اُستاذ صاحب مَدرسے میں حسبِ معمول بچوں کو سبق پڑھا رہے تھے جن میں امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ بھی شامل تھے۔ وہ بڑی تَوَجُّہ سے اپنا سبق پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک بچے نے آکر سلام کیا۔ اُستاذ صاحب کے منہ سے نکل گیا" : جیتے رہو۔" یہ سُن کر آپ نے کچھ یوں عرض کی " : یااُستاذی ! سلام کے جواب میں تو وَعَلَیْکُمُ السَّلَام کہنا چاہیے! "استاذ صاحب کَمسِن مُبَلِّغ کی زبان سے اِصلاحی جملہ سن کر ناراض نہ ہوئے بلکہ خیر خواہی کرنے پر خوشی کا اِظہار فرمایا اور اپنے اس ہونہار شاگرد کو ڈھیروں دعائیں دی۔ (اعلیٰ حضرت کی انفرادی کوششیں، ص2)

سونے کی انگوٹھی پہننے والے پر اِنفرادی کوشش:

سَجَّادہ نشیں سرکار کلاں مارہرہ شریف حضرت مہدی حَسَن میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں" : میں بریلی شریف آتا تو اعلیٰ حضرت عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ ربِّ الۡعِزَّت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دُھلاتے۔ ایک مرتبہ میں نے سونے کی انگوٹھی اور چھلے پہنے ہوئے تھے، حسبِ دَستور جب ہاتھ دُھلوانے لگے تو فرمایا : شہزادہ حضور ! یہ انگوٹھی اور چھلّے مجھے دے دیجئے " ! میں نے اُتار کر دے دیئے اور بمبئی چلا گیا۔ بمبئی سے مارہرہ شریف واپس آیا تو میری لڑکی فاطمہ نے کہا " : ابا حضور ! بریلی شریف کے مولانا صاحب (یعنی اعلیٰ حضرت قدس سرہ) کے یہاں سے پارسل آیا تھا، جس میں چھلے انگوٹھی اور ایک خط تھا جس میں یہ لکھا تھا : شہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیاء آپ کی ہیں (کیونکہ مَردوں کو ان کا پہننا جائز نہیں) ایضاً ص 11)

یہ تھے ہمارے امام، جنہوں نے اپنی ساری زندگی وقف کر کے اصلاح امت کی بھر پور کوششیں کیں۔

اللہ کریم ہم سب کو امام اہل سنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

مقاصدِ نکاح اور چند غیر شرعی پہلوؤں کی نشاندہی

از: مولانا محمد مبشر تنویر فاروقی
(حویلی لکھا، ضلع اوکاڑہ)

بنیادی طور پر نکاح کے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں جن میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

پہلا مقصد: حکمِ الٰہی پر عمل:

اللہ فرماتا ہے: وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ (النور:32) ترجمہ: اور بے نکاحوں کا نکاح کر دو۔

ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

ترجمہ: تو اپنی پسند کی دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کرو، پھر اگر ناانصافی کا ڈر ہو تو صرف ایک سے ہی کرو۔

اِن آیات میں نکاح کا واضح حکم فرمایا گیا ہے پس نکاح کا ایک مقصد اللہ پاک کے اِن احکام پر عمل کرنا ہوتا ہے۔

دوسرا مقصد: انبیاء و مرسلین کی سنت پر عمل:

قرآن پاک میں ہے: وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّیَّةً (الرعد:38)

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور ان کے لیے بیبیاں کیں۔

یونہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں پیغمبروں کی سنت سے ہیں: حیاء کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا، (ترمذی:1080) پس نکاح کا ایک مقصد انبیاء و مرسلین کی مبارک سنت پر عمل کرنا بھی ہوتا ہے۔

تیسرا مقصد: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مبارکہ پر عمل:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سے ایک

صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ ساری رات نمازیں پڑھا کروں گا، دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی نہیں چھوڑوں گا اور تیسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان پیارے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم ہی ہو جنہوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ تو سنو خبر دار! اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور خوف رکھنے والا ہوں مگر اس کے باوجود میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں اور نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، لہذا جس نے میرے طریقے اور سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں ہے۔(بخاری:5063)

قربان جائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس خوبصورت انداز میں صحابہ کی تربیت فرمارہے ہیں اور اُن کے ذریعے ہمیں زندگی گزارنے کا طریقہ بتارہے ہیں کہ اے لوگو! اپنے رسم و رواج اور مرضی سے زندگی مت گزارتے پھرنا بلکہ میرے طریقے اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنا، اِسی میں کامیابی موجود ہے، پس نکاح کا ایک مقصد پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مبارکہ پر عمل کرنا ہوتا ہے۔

چوتھا مقصد: کثرتِ اولاد کی نیت سے نکاح کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔ ترجمہ: محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کیا کرو کیونکہ میں تمہاری وجہ سے باقی امتوں پر فخر کروں گا۔(ابوداوٗد:2050)

ممکن ہے کہ یہ سوال ذہن میں آئے کہ اس حدیث میں جو یہ ذکر ہوا کہ "اپنے خاوند سے پیار کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو"

تو نکاح سے پہلے کیسے پتا چلے کہ فلاں عورت خاوند سے پیار بھی کرے گی اور زیادہ بچے بھی جنے گی؟

اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں: یعرف ھذان الوصفان فی الأبکار من اقاربھن ترجمہ: ان اوصاف کو کنواری عورت کے قریبی رشتہ داروں

سے پُر کھا جائے گا۔(مرقاۃ المفاتیح، 6/247 تحت الحدیث:3092)

یعنی اس کی ماں، خالہ یا شادی شدہ بہن وغیرہ کے ذریعے اندازہ لگایا جائے گا کہ اگر وہ اپنے خاوند سے پیار کرتی ہیں اور زیادہ بچے جنتی ہیں تو اِس میں بھی اِس وصف کے پائے جانے کی قوی امید ہے اور اِسی امید پر اس سے نکاح کر لیا جائے۔ پس نکاح کا ایک مقصد کثرتِ اولاد بھی ہوتا ہے۔

پانچواں انتہائی اہم مقصد: پاکدامنی کی خاطر نکاح:

اپنے کردار کو پاکیزہ رکھنے اور دامن کو بدکاری سے پاک رکھنے کے لیے نکاح کرنے پر شریعت نے بہت زور دیا ہے اور یہ چیز قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

قرآن سے ثبوت:

اللہ فرماتا ہے: وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا(۲۸)

ترجمہ: اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (النساء:28)

امام مجاہد تابعی اور سیدنا عکرمہ تابعی رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: وخلق الانسان ضعیفا، انہ لایصبر عن النساء ترجمہ: انسان کے فطرتاً کمزور پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عموماً انسان عورتوں سے صبر نہیں کر سکتا۔ (احیاء العلوم، 2/39 ، کتاب النکاح، الباب الاول فی الترغیب فی النکاح)

تفسیر مظھری میں ہے: لا یصبر عن الشھوات ترجمہ: یعنی انسان فطرتاً شہوتوں سے صبر نہیں کر سکتا۔ (تفسیر مظھری، 2/79)

اس آیت سے انسان کے دل کا فطری طور پر (naturally) شہوت کے سبب عورتوں کی طرف مائل ہونا ثابت ہوا۔

جبکہ دوسرے مقام پر اللہ فرماتا ہے:
وَ لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَ سَآءَ سَبِیۡلًا(۳۲) ترجمہ: اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک یہ بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔ (بنی اسرائیل:32)

اب یہاں دو باتیں واضح ہوئیں ایک یہ کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 28 میں اللہ تعالی نے انسان کا شہوتوں اور عورتوں کے معاملے میں فطرتاً کمزور ہونا بیان کیا ہے اور دوسری یہ کہ سورۃ بنی اسرائیل کی

آیت نمبر 32 میں زنا کو بے حیائی اور برا راستہ قرار دیا گیا ہے اور پاکدامن رہنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ انسان کے لیے شہوت و عورت کے معاملے میں کوئی ایسا رستہ ہے کہ جس سے فطری (natural) خواہش و شہوت بھی پوری ہو جائے اور دامن بھی پاک رہے؟

اس کا جواب ہمارے رب نے قرآن میں ہی ارشاد فرمایا ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء:3) ترجمہ: اپنی پسندیدہ دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کرو اور اگر ناانصافی کا ڈر ہو تو ایک سے ہی کرو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ نے فلسفۂ نکاح کو قرآن کریم میں بڑی وضاحت سے ذکر فرمایا ہے اور جہاں پاک دامن رکھنے کا حکم دیا ہے وہیں پاک دامن رہنے کا طریقہ بھی نکاح کی صورت میں عطا فرمایا ہے۔

احادیث میں پاک دامن رہنے کا حکم اور نکاح کی ترغیب:

حدیث نمبر (1): نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے جوانو کے گروہ! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے اسے نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح نظر کو جھکانے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔" (بخاری:5066)

حدیث نمبر (2): نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص پاک دامن اور صاف ستھرا ہو کر اللہ سے ملنا چاہتا ہو وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔" (ابن ماجہ:1862)

حدیث نمبر (3): نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص پاک دامن رہنے کی خاطر نکاح کرنا چاہے اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔" (ترمذی:1655)

ان تین احادیثِ مقدسہ سے ہمیں نکاح کے ایک اہم ترین مقصد کا علم حاصل ہوا اور وہ ہے پاک دامن رہنا، اپنی عزت کی حفاظت کرنا اور صاف ستھرے کردار کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا۔ پس نکاح کرنے کا ایک اہم ترین مقصد یہ ہے کہ پاکدامنی کی خاطر نکاح کیا جاتا ہے۔

ہم نے دلائل اور مختصر وضاحت کے ساتھ پانچ مقاصدِ نکاح ذکر کر دیئے۔

اب ہم احکامِ شریعت کی روشنی میں چند ایسے غیر شرعی پہلوؤں کی نشاندہی کریں گے جو معاشرے کا ناسور بن چکے ہیں اور اُن کا تدارک انتہائی لازم ہے۔

چند غیر شرعی پہلوؤں کی نشاندہی:

پہلی نشاندہی:

نکاح کرنے والے کو شہوت پرستی اور بے صبری کا طعنہ دینا:

یاد رکھیں نکاح ایک عبادت ہے اور کسی بھی عبادت کا طعنہ دینا انتہائی درجے کی نادانی بلکہ ذہنی آوارگی کی علامت ہے، عموماً اگر کوئی شخص نکاح کی خواہش ظاہر کرے تو اُسے فیملی اور معاشرے کی طرف سے اِس طرح کے طعنے سننے کو ملتے ہیں مثلاً: ہم تو تمہیں بڑا نیک اور شریف سمجھتے تھے اور تم شادی شادی کی رٹ لگائے بیٹھے ہو یا تم سے صبر یا کنٹرول کیوں نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔

واضح رہے کہ اس طرح کے تمام جملے غیر شرعی اور گناہ ہیں اور کسی مسلمان کی زبان پر یہ جملے نہیں آسکتے کیونکہ نکاح کر کے بیوی کے ذریعے اپنی خواہش و شہوت پوری کرنا یہ کوئی ایسا کام نہیں ہے جس پر ملامت کی جائے اور طعنے دیے جائیں۔

اللہ فرماتا ہے: اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا﴿۱۹﴾

ترجمہ: بے شک انسان بے صبرا اور حریص پیدا کیا گیا ہے۔(المعارج:19)

اس آیت کے بعد اللہ نے چند لوگوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ چند لوگ بے صبرے نہیں ہیں بلکہ صبر والے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا:

وَ الَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ‌ۚ﴿۳۰﴾

مفہومی ترجمہ: یعنی انسان کو بے صبرا پیدا کیا گیا ہے مگر وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور صرف اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے ذریعے شہوت پوری کرتے ہیں یہ صبر والے لوگ ہیں اور یہ ہرگز طعنوں کے حقدار نہیں ہیں۔(المعارج:29، 30)

حضراتِ محترم! اس آیت میں اللہ نے بالکل واضح فرمادیا کہ "غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡن" یعنی نکاح کر کے اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرنے والے لوگ ہرگز طعنوں

اور ملامت کے حقدار نہیں ہیں، بلکہ یہ تو قابلِ تعریف لوگ ہیں جنھوں نے ایک اہم عبادت یعنی نکاح کو سر انجام دے کر اپنا دامن بد نگاہی اور زنا جیسے گناہوں سے بچالیا ہے۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ: لایتم نسک الشاب حتی یتزوج. ترجمہ: جوان کی عبادت نکاح کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتی۔ (عوارف المعارف، الباب الحادی والعشرون فی شرح حال المتجرد و المتأھل من الصوفیۃ، ص100)

یونہی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما اپنے بچوں کو اپنے پاس بلاتے اور پوچھتے: ان اردتم النکاح انکحتکم فان العبد اذا زنی نزع الایمان من قلبہ ترجمہ: اے میرے بچو! اگر تم نکاح کرنا چاہتے ہو تو مجھے بتاؤ میں تمہارا نکاح کروا دیتا ہوں کیونکہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس کے دل سے ایمان کھینچ لیا جاتا ہے۔(احیاء العلوم، کتاب آداب النکاح، الباب الاول فی الترغیب فی النکاح، 2/31)

قربان جائیں سیدنا عبداللہ بن عباس کی سوچ پر، کہ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کا بیٹا ہوں، اہلِ بیت میں سے بھی ہوں اور صحابی بھی ہوں مجھے یا میری اولاد کو شیطان کا کیا خطرہ، نہیں نہیں ہر گز نہیں، بلکہ انہوں نے تو اپنی اولاد کے سامنے زنا کا خدشہ ظاہر کیا اور نکاح کی اہمیت کو واضح فرمایا اور اپنی قیمتی مصروفیات میں سے وقت نکال کر اپنی اولاد سے ان کی شادی کے متعلق باقاعدہ مشاورت فرمائی۔

اللہ آج کے معاشرے اور خصوصاً آج کے والدین کو بھی اپنی اولاد کو گناہوں سے بچانے کی فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ پس معلوم ہوا کہ نکاح کرنا کوئی عیب نہیں بلکہ اللہ کا قرب پانے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

دوسری نشاندہی:

دوسرا، تیسرا یا چوتھا نکاح کرنے والے کو تصوف و تقوی سے دور اور شہوت پرست سمجھنا:

عموماً اگر کوئی شخص پہلے سے ہی شادی شدہ ہے اور ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہا ہے لیکن اب وہ ایک اور نکاح کرنا چاہتا ہے تو اُس کے نیک ہونے پر شک

کیا جاتا ہے اور اُسے خواہش پرستی کا طعنہ دیتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ "کیا تمہارا ایک بیوی سے گزارہ نہیں ہو رہا؟ یا اے ظالم! تم سوکن لا کر پہلی بیوی پر ظلم کیوں کرنا چاہتے ہو؟ یا تم سے شہوت پر کنٹرول کیوں نہیں ہوتا؟ وغیرہ وغیرہ"

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت اسلام نے دی ہے اور اسلام کسی پر ظلم کی اجازت نہیں دیتا، پس معلوم ہوا کہ دوسری شادی سے پہلی بیوی پر کوئی ظلم نہیں ہوتا اگر یہ ظلم ہوتا تو اسلام اس کی ہرگز اجازت نہ دیتا، ہاں البتہ ہر کام کا ایک طریقہ کار اور قانون ہوتا ہے اِسی طرح اسلام نے یہ بتایا ہے کہ اگر تم زیادہ بیویوں میں عدل و انصاف نہیں کرسکتے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو لیکن اگر تم چار میں انصاف نہیں کرسکتے مگر تین میں کرسکتے ہو تو تین بیویاں رکھنے کے حقدار ہو، اگر تین میں انصاف نہیں کرسکتے مگر دو میں کرسکتے ہو تو دو رکھنے کے حقدار ہو، پس جو عدل و انصاف کی پابندی کرتے ہوئے ایک سے زیادہ شادیاں کرتا ہے اُسے اس کام سے روکنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے کیونکہ اسے اسلام نے اجازت دی ہے،

اب اس تفصیل کے بعد میں یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ شریعت کی اجازت پر عمل کرنے والا شخص تصوف و تقوی سے دور کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ دراصل حقیقی صوفی اور پرہیز گار ہوتا ہی یہ شخص ہے کیونکہ یہ اللہ کے بتائے ہوئے رستے پر انصاف کے ساتھ چل رہا ہے، چنانچہ اللہ فرماتا ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

ترجمہ: اپنی پسندیدہ دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کرو البتہ اگر ناانصافی کا ڈر ہو تو ایک ہی سے کرو۔ (النساء:3)

اس آیت کے تحت قاضی ثناء اللہ الحنفی المظہری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: تعلیق الاختصار على الواحدة بخوف الجور يدل على انه عند القدرة على اداء حقوق الزوجات والعدل بينهن الافضل الاكثار فى النكاح ترجمہ: اس آیت میں جو اللہ پاک نے ایک بیوی پر صبر کرنے کو ظلم و ناانصافی کے ساتھ معلّق کیا ہے یہ چیز اس بات کی طرف رہنمائی

کرتی ہے کہ جو شخص ایک سے زیادہ بیویوں کے حقوق ادا کرنے اور اُن کے درمیان عدل و انصاف کرنے کی قدرت و ارادہ رکھتا ہے اُس شخص کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا ہی افضل اور زیادہ ثواب کا کام ہے۔(تفسیر المظھری،2/10)

پس ثابت ہوا کہ جو شخص ایک افضل اور زیادہ ثواب کا کام کر رہا ہے وہ دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ نیک ہے اور زیادہ تصوف کے قریب ہے۔

دوسرا جواب:

اس تنقید کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر زیادہ بیویاں رکھنا معیوب یا خلافِ تقوی کام ہوتا تو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امت کے بہترین افراد یعنی صحابہ کرام جو کہ تمام اولیاء، صوفیاء اور پرہیزگاروں سے رتبے میں افضل اور اعلی ہیں، یہ حضرات کیوں ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے؟ چنانچہ امام سفیان بن عیینہ (المتوفی 197 ہجری) فرماتے ہیں:

كثرة النساء ليست من الدنيا لان عليا كان ازهد اصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وكان له اربع نسوة و سبع عشرة سرية

ترجمہ: ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا ہرگز دنیاداری نہیں ہے کیونکہ سیدنا مولا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ الکریم جو کہ صحابہ کرام میں بہت بڑے دین دار، عبادت گزار اور صوفی تھے اُن کی چار بیویاں اور سترہ لونڈیاں تھیں۔(عوارف المعارف مع احیاء العلوم،5/160)

یونہی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وكان فی الصحابة من له الثلاث والاربع ومن كان له اثنان لايحصى ترجمہ: بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تین تین اور چار چار بیویاں تھیں جبکہ دو بیویاں رکھنے والے صحابہ کی تعداد تو گنی ہی نہیں جاسکتی۔(احیاء العلوم،2/41)

ایسے ہی سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کے عظیم پیشوا شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ لکھتے ہیں:"کچھ لوگوں نے صوفیاء پر اعتراض کیا کہ یہ شادیاں بہت کرتے ہیں، تو علماء نے ان لوگوں کو یوں جواب دیا: انت ايضاً لوحفظت فرجك كما يحفظون تزوجت كما يتزوجون ترجمہ: اگر تم لوگ بھی اِن صوفیوں اور ولیوں کی طرح اپنی عزتوں اور شرمگاہوں کی

حفاظت کرو تو تم بھی ان کی طرح زیادہ بیویاں رکھو گے۔(عوارف المعارف مع الاحیاء، 5/160)

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ حقیقی صوفیاء اپنی عزتوں کو بچانے کے لیے ایک سے زیادہ نکاح کرتے ہیں اور بالخصوص اُس دور کے صوفیائے کرام ایک شادی تک محدود نہیں رہتے تھے بلکہ زیادہ بیویاں رکھتے تھے حتی کہ بعض جاہل بول اٹھے کہ یہ کیسے صوفی ہیں جنہیں ہر وقت نکاح کی ہی پڑی رہتی ہے تو علماء نے ان جاہلوں کو جواب دیا کہ نکاح تو عزت بچانے اور پاکدامن رہنے کا ایک ذریعہ ہے اور یہ صوفیاء زیادہ نکاح کر کے گناہوں سے بچ کر ہی تو صوفی بنے ہیں۔

اور یاد رہے کہ یہ آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے کی بات ہے جب سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ وغیرہ کی صورت میں گناہ کرنا اور خواہشات بھڑکانا ممکن ہی نہیں تھا جبکہ آج تو اِن اسباب نے گناہ کرنا بہت آسان کر دیا ہے لہٰذا آج کے دور میں احکامِ نکاح کو سمجھنا اور promote کرنا بہت ضروری ہے ورنہ انسان تو فطرتاً کمزور پیدا کیا گیا ہے اگر اسے جائز رستے سے روکا گیا تو ناجائز رستے پر چل پڑے گا۔

تیسرا جواب:

اس تنقید کا ایک اور جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پاک دامن رہنے کے لیے نکاح کرنا چاہتا ہے اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔(ترمذی:1655)

اس حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص پہلا ، دوسرا، تیسرا یا چوتھا نکاح اس لیے کرنا چاہتا ہے کہ میں گناہ سے بچ جاؤں تو یقیناً نکاح کے معاملے میں اللہ اس کی مدد فرمائے گا اور جس کام میں اللہ مدد فرمائے وہ کام بندے کو تصوّف سے دور نہیں بلکہ قریب کرتا ہے۔

پس ان مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ زیادہ بیویاں رکھنا پرہیز گار لوگوں کا اور صوفیاء کا کام ہے اور زیادہ بیویاں رکھنے والے کو شہوت پرستی اور تصوف سے دوری کا طعنہ دینا پَرلے درجے کی جہالت ہے۔

تیسری نشاندہی:

پسند کی شادی کرنے والے کو طعنہ دینا:

عموماً اگر لڑکا اور لڑکی کو کسی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت ہو جائے اور وہ دونوں گناہ سے

بچنے کے لیے اور حرام بات چیت سے بچنے کے لیے نکاح کی خواہش ظاہر کر دیں تو معاشرے کے طعنے جینا حرام کر دیتے ہیں حالانکہ شریعت نے اس کا حل بھی نکاح ہی بتایا ہے۔

چنانچہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:لم تر للمتحابین مثل النکاح.ترجمہ: دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ (ابن ماجہ:1847)

حضرات! میں اس حدیثِ مبارکہ کی طرف آپ کی خاص توجہ دلانا چاہتا ہوں،ذرا آپ غور کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

تو دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہوا کہ شادی سے پہلے کسی لڑکے اور لڑکی کو آپس میں محبت ہو سکتی ہے اِسی لیے تو فرمایا کہ اگر محبت ہو جائے تو لڑائی جھگڑوں کی بجائے اُن کا آپس میں نکاح کر دینا چاہئے اور نکاح سے بہتر کچھ نہیں ہے کیونکہ محبت ایک غیر اختیاری چیز ہے ، یہ کسی سے بھی ہو سکتی ہے اور اس کو حاصل کرنے کا سب سے بہترین حل نکاح ہے۔

اور یہ جملہ کہ "محبت ایک غیر اختیاری چیز ہے" یہ محض جذباتی جملہ نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ اے اللہ! بیویوں کے معاملے میں میں عدل و انصاف سے کام لیتا ہوں مگر وہ چیز (یعنی محبت) جو تیرے ہاتھ میں ہے اور میں اُس کا مالک نہیں ہوں اُس کے بارے مجھے ملامت نہ فرمانا۔(ترمذی:1140)

ذرا غور کریں کہ اللہ نے ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل و انصاف کا کتنا سخت حکم فرمایا ہے مگر وہ انصاف رات کی باریاں تقسیم کرنے اور کھانے پینے اور رہائش وغیرہ کے اعتبار سے ہے جبکہ محبت میں عدل و انصاف کا حکم نہیں ہے کیونکہ یہ ایک غیر اختیاری چیز ہے کسی بیوی سے کم اور کسی سے زیادہ ہو سکتی ہے۔الغرض جب کسی سے محبت ہو جائے تو نکاح ہی سب سے بہترین حل ہے۔

قربان جائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت پر کتنے مہربان ہیں کہ ہر ہر مسئلے کا بہترین

حل ارشاد فرمایا ہے، مگر جب تک ہم ان فرامین پر عمل نہیں کریں گے معاشرہ یونہی بدنگاہیوں، بدکاریوں اور زناکاریوں کے گڑھے میں گرتا رہے گا اور ذمہ داری قبول کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ یہ تو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان پیش کیا ہے اگر ہم قرآن کریم کو پڑھیں تو وہاں سے بھی ہمیں یہی رہنمائی ملتی ہے،

چنانچہ اللہ فرماتا ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ترجمہ: اپنی "پسندیدہ" عورتوں سے نکاح کرو۔ (النساء:3)

اس آیت کے تحت تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ الحنفی النقشبندی یوں لکھتے ہیں: فالاولی ان یقال معناہ ما استطاب منهن انفسكم و مالت انفسکم الیهن

ترجمہ: یعنی اس آیت کا سب سے بہترین معنی یہ ہے کہ ان عورتوں سے نکاح کرو جن سے تمہاری طبیعت خوش ہو جائے اور ان کی طرف تمہارا دل مائل ہو۔ (تفسیر مظہری، 215/2)

یہ آیتِ قرآنی بتاتی ہے کہ شریعت کو مطلوب ہی پسند کا نکاح ہے، اِسی لیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم نے جس عورت کو پیغامِ نکاح بھیجا ہے، اُس کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ ایک نظر دیکھ لینے سے تم دونوں کی محبت ہمیشہ قائم رہے گی۔ (ترمذی: 1087)

پس جب ایک ایسی عورت جس کو دیکھا ہی نہیں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کو ایک نظر دیکھنے کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں تا کہ پسند ہو تو قبول کر لے ورنہ چاہے تو اُس سے شادی نہ کرے تو جن کے دل میں پہلے سے ہی ایک دوسرے کے لیے محبت ہو اُن کا آپس میں نکاح کرنا زیادہ اولٰی اور فائدہ مند ہے۔

ہاں مگر نکاح سے پہلے حرام تعلقات یا ناجائز بات چیت حرام و ناجائز ہے، اِس حرام کام سے بچنے کے لیے پیغامِ نکاح بھجوا دیا جائے۔ (اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین)

ایک ایمان افروز حکایت ملاحظہ کیجئے:

سیدنا مولا علی کرم اللہ وجھہ کی ایک لونڈی تھی، وہ دریا سے پانی بھرنے کے لیے جایا کرتی تھی، اس عورت کے رستے میں ایک مؤذن رہتا تھا جو کہ ہر بار

اس عورت سے کہتا "اللہ کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں" بالآخر اس عورت نے مولا علی کرم اللہ وجھہ سے یہ معاملہ بیان کر دیا، تو مولا علی کرم اللہ وجھہ نے اس عورت سے فرمایا: "اگر وہ شخص تمہیں یہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم مجھے تم سے محبت ہے تو تم بھی اُسے کہہ دو کہ اللہ کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے"

اب اس عورت نے جا کر اس مؤذن سے اظہارِ محبت کر دیا۔ تو وہ مؤذن بولا: ہم ایک دوسرے سے اظہارِ محبت تو کر چکے لہذا اب ہم دونوں صبر کریں گے اور اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں گے، اعورت نے واپس آکر مولا علی کی بارگاہ میں ساری بات سنا دی، تو آپ کرم اللہ وجھہ نے اس عورت سے فرمایا، جاؤ اُس شخص کو میرے پاس بلا لاؤ، پس جب وہ شخص آ گیا تو مولا علی نے اس شخص کو کوئی سزا دینے کی بجائے "مرحبا خوش آمدید" فرمایا اور اپنے قریب بٹھا لیا اور فرمایا کیا تم اس عورت سے محبت کرتے ہو؟ اس مؤذن نے عرض کیا، جی حضور، آپ کرم اللہ وجھہ نے فرمایا: کیا لوگ تم دونوں کی اس محبت کو جانتے ہیں؟ عرض کیا: نہیں حضور، مولا علی کرم اللہ وجھہ نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو اس عورت کا ہاتھ پکڑ لو، آج سے یہ عورت تیری ہے اور یہی اللہ کا فیصلہ ہے۔ (ذم الھوی لابن الجوزی، صفحہ 453)

پسند کی شادی کے بارے امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جو کسی کی محبت میں گرفتار ہو اُسے چاہیے کہ اپنی اُس محبوبہ سے نکاح کرنے کی حد درجہ کوشش کرے، اگر اس سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہی نہ ہو (مثلاً وہ اُس کی کوئی محرم وغیرہ ہو) تو پھر ایسی عورت سے نکاح کرے جو اس کے دل کی تسلی کا باعث بن سکے، اس کی علامت یہ ہے کہ جونہی اسے دیکھے تو آنکھ جم جائے اور وہ دل میں گھر کر جائے۔ (ذم الھوی، 215)

پس ان دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ نکاح سے پہلے عورت کو ایک نظر دیکھنا تاکہ پسند ناپسند کا فیصلہ ہو جائے یا پہلے سے ہی جس سے محبت ہے اُس سے شادی کرنا ایک جائز بلکہ پسندیدہ عمل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح کو پسند کیا، پس جس کام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے

تصدیق (authenticity) مل جائے اُس پر تنقید کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی کا ایک ہی برادری اور خاندان سے ہونا ضروری ہے یا کم از کم برابری ہونا ضروری ہے حالانکہ یہ سراسر غلط نظریہ ہے۔

یاد رکھیں اِس کو شرعی زبان میں "کُفُو" کہا جاتا ہے۔ بہارِ شریعت اور دیگر فقہی مراجع و مصادر کتب میں یوں لکھا ہے: "مرد عورت سے نسب وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ عورت کے اولیاء (باپ، دادا وغیرہ) کے لیے شرم اور عار کا باعث ہو، کفو کا ہونا صرف مرد کی جانب سے معتبر ہے عورت اگرچہ کم درجے کی ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔" (بہار شریعت، جلد 2 حصہ ہفتم صفحہ 53)

یعنی مرد کا عورت سے نسب اور کاروبار وغیرہ بہتر ہو تو ان کا کفو ثابت ہو جائے گا جبکہ عورت کا نسب اور مال وغیرہ جیسا بھی ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔لہذا خاص طور پر لڑکے والوں کی طرف سے بلاوجہ برادری یا برابری کی ضد لگانا بالکل غیر شرعی سوچ ہے۔

اللہ پاک ہمیں تمام شرعی احکام کو سمجھ کر رسم و رواج کا قلع قمع کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

اختتامی مگر اہم ترین نوٹ:

اس تفصیلی گفتگو کے بعد آخر میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ زیادہ شادیوں کی اجازت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر مسائل سمجھے نکاح پر نکاح کرتے جائیں اور کبھی پہلی بیوی ظلم کا شکار ہو اور کبھی دوسری بیوی مظلوم ہو جائے، معاشرے کی حالت تو یہ ہے کہ لوگ پہلی شادی کے مسائل ہی نہیں سیکھتے اور پھر چھوٹی چھوٹی چپقلش پر بات لڑائی جھگڑے بلکہ طلاق تک پہنچ جاتی ہے لہذا پہلے یہ مسائل سیکھنے فرض ہیں کہ اگر ایک سے زیادہ بیویاں رکھنی ہیں تو اُن کے درمیان رات گزارنے اور کھلانے پلانے وغیرہ کے معاملے میں عدل و انصاف فرض ہے۔

ان مسائل کی تفصیلات کے لیے علماء سے رابطے میں رہنا چاہیے۔وما علینا الا البلغ المبین

اسلامی سال نو کا آغاز اور ہمارا رویہ

از: مولانا حافظ افتخار احمد قادری
(کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت یوپی)

اسلامی نظام تقویم (کیلنڈر) کا آغاز خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے ہوا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق رہتی کہ ہم اپنے معاملات لکھنے میں سن عیسوی کا استعمال کرتے ہیں جبکہ ہمارا اپنا سن اور اپنی تاریخی شناخت ہونی چاہیے۔ لہٰذا! آپ نے مجلسِ شوریٰ سے اسلامی سن کے آغاز کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مشورہ پیش کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ابتدا کی جائے۔ کسی نے کہا اعلان نبوت سے اسلامی سن ہجری کا آغاز کیا جائے یہ عظیم اور انقلابی واقعہ ہے اور اسی عظیم واقعہ کے بعد سے مذہب اسلام کی اشاعت و فروغ کا سلسلہ شروع ہوا اور اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ اس رائے کو سب نے پسند فرمایا مگر سال کے بارہ مہینے اور پہلا مہینہ محرم الحرام پہلے سے ہی رائج تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت ماہ ربیع الاول میں فرمائی تھی لہٰذا! امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تطبیق پیش فرماتے ہوئے مشورہ دیا: ماہ محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ مقرر کیا جائے اور سن ہجری کا آغاز دو ماہ آٹھ دن پیچھے سے شمار کیا جائے۔ لہٰذا! ہجرت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یکم ہجری قرار دیا گیا اور اس کے بعد کے تمام واقعات کو خلیفہ دوم کی عہد خلافت تک مرتب کیا گیا اور اس طرح 20: جمادی الآخرۃ 17ھ مطابق 09 جولائی 638ء سے باقاعدہ طور سے اسلامی سن ہجری

کا آغاز ہوا۔ اللہ رب العزت نے جس دن زمین و آسمان کی تخلیق فرمائی تب سے ہی سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے اور ان مہینوں میں چار مہینوں کو حرمت و عظمت والا قرار دیا۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے۔ ترجمہ: بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ ہے اللہ کی کتاب میں، جب سے اس نے آسمان اور زمین بنائے، ان میں چار حرمت والے۔ (التوبہ:36)

اس آیتِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ سال کے بارہ مہینوں کا تقرر اللہ رب العزت نے فرمایا ہے اور چار مہینوں کو عظمت و بزرگی عطا فرمائی وہ مقدس عظمت و حرمت والے مہینے یہ ہیں۔ پہلا محرم الحرام، دوسرا رجب المرجب، تیسرا ذی القعدہ اور چوتھا ذی الحجہ ہے۔ امم سابقہ میں بھی یہ مہینے حرمت والے تھے لہٰذا! وہ امتیں بھی ان مہینوں کا احترام کیا کرتی تھیں اور ان حرمت والے مقدس مہینوں میں جنگ وجدال، قتل وغارتگری سے مکمل اجتناب کیا کرتی تھیں۔ مذہب اسلام میں ان مہینوں کی حرمت اور زیادہ ہو گئی۔ حدیثِ پاک کا مفہوم ہے: ماہ محرم الحرام اللہ رب العزت کے لیے ہے اس مبارک مہینے کی تعظیم کرو۔ جس نے ماہ محرم الحرام کی تعظیم کی تو اللہ رب العزت اسے جنت میں عزت عطا فرمائے گا اور دوزخ سے نجات دے گا۔ اللہ رب العزت ہمیں اس ماہ مبارک کی قدر کرنے اور اس میں خوب خوب عبادت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

ماہ محرم الحرام کا چاند نظر آتے ہی اسلامی نئے سال کا آغاز ہو جاتا ہے اور ہم آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ لیکن صرف اتنا ہی نہیں کہ ہم آپس میں مبارک باد دیں بلکہ اس ماہ مبارک کا استقبال تو اس طرح ہونا چاہیے کہ ہم اپنے آپ کا محاسبہ کریں۔ جو سال گذر گیا اس میں ہم سے کیا کیا کوتاہیاں سرزد ہوئیں؟ خاص طور سے اپنے اعمال کا محاسبہ کریں اس نئے سال کے لیے کچھ عزائم کریں۔ منصوبہ بندی کریں۔ شریعتِ اسلامیہ کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی سعی کریں اور مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے کمربستہ ہو جائیں ان عزائم کے ساتھ اگر ہم ماہ محرم الحرام کا استقبال کریں گے تو

ان شاء اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں کامیابی و کامرانی میسر آئے گی۔

محرم الحرام کی پہلی شب:

ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں؛جو شخص ماہ محرم الحرام کی پہلی شب میں شب بیداری کرے اور آٹھ رکعت نفل نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص دس مرتبہ پڑھے تو میں قیامت کے روز اس کی اور اس کے گھر والوں کی شفاعت کروں گی اگرچہ اس پر دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہو۔کتاب الاوراد میں ہے جو ماہ محرم الحرام کی پہلی رات میں دو رکعت نماز نفل پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا ہاتھ اٹھا کر پڑھے؛،،اللھم ارحمنی و تجاوز عنی واحفظنی من کل آفۃ،، وہ تمام سال جملہ آفات وبلیلات سے امان میں رہے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے:حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:جس نے ذی الحجہ کے آخری دن اور ماہ محرم الحرام کے پہلے دن کا روزہ رکھا گویا اس نے گزشتہ سال کو روزوں میں ختم کیا یعنی سال بھر روزہ رکھا اور آئندہ سال کو بھی روزہ سے شروع کیا۔اللہ رب العزت اس کے پچاس برس کے گناہوں کا اس روزہ کو کفارہ بنا دے گا۔ماہ محرم الحرام کا چاند نظر آتے ہی ذکر شہادت کی مجلسیں منعقد ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و اہلبیت اطہار اور جگر گوشۂ بتول امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانیوں ان کی عظمت و رفعت کا تذکرہ کر کے شمع ایمانی کو تیز کیا جاتا ہے جو یقیناً کار ثواب اور اپنی نسلوں تک پیغامِ اسلام پہچانے کا عظیم ذریعہ ہے۔

ان مجالس کا انعقاد شریعتِ مطہرہ کے دائرے میں رہتے ہوئے کس طرح کرنا چاہیے اس تعلق سے امام اہلسنت مجدد دین و ملت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں:جو مجلس ذکر شریف حضرت امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ و اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ہو جس میں روایات صحیحہ معتبرہ سے ان کے فضائل و مقامات و مدارج بیان کئے جائیں اور امور مخالف شرع سے یکسر پاک ہوں فی

نفسہ حسن و محمود ہیں خواہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم، اگر چہ وہ نظم بوجہ ایک مسدس ہونے کے ذکر میں ذکر حضرت سید الشہداء ہے۔(فتاوی رضویہ، جلد24 صفحہ 523)

حضور صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمتہ والرضوان مجلس محرم سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: عشرہ محرم میں مجلس منعقد کرنا اور واقعات کربلا بیان کرنا جائز ہے جبکہ روایات صحیحہ بیان کی جائیں اور ان واقعات میں صبر و تحمل، رضا و تسلیم کا مکمل درس ہے اور پابندی احکامِ شریعت و اتباع سنت کا زبردست عملی ثبوت ہے کہ دین حق کی حفاظت میں تمام اعزاز و اقربا و رفقاء اور اپنے آپ کو راہ خدا میں قربان کیا اور جزع و فزع کا نام بھی نہ آنے دیا۔ مگر اس مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی ذکر خیر ہونا چاہیے تاکہ اہلبیت اور اس کے علاوہ کی مجلسوں میں فرق و امتیاز رہے۔(بہار شریعت حصہ 06 صفحہ 247)

قوم مسلم میں تعزیہ داری کی انتہائی غلط و قبیح رسم پروان چڑھ گئی ہے۔ امام اہل سنت سرکارِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان فتاوی رضویہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں: آج کی مروجہ تعزیہ داری قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ تعزیہ داری کے سلسلے میں آج کل جو ڈھانچے بنائے جاتے ہیں، ان کے اندر مصنوعی قبر بناتے ہیں، پھر اس پر پھول چڑھاتے ہیں، ان سے منتیں مانگتے ہیں، پھر اسے لے جاکر دفن کر دیتے ہیں، کہیں امام عالی مقام کی سواری بٹھاتے ہیں اور اس کو نعل صاحب کی سواری کہتے ہیں، چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، منتیں مانگتے ہیں، اس قسم کی بہت سی باتیں کی جاتیں ہیں یہ سب بدعات و خرافات ہیں۔ حضرت امام عالی مقام کے واقعات تو ہمارے لئے نصیحت تھے لیکن افسوس! کہ ہم نے آج کھیل تماشہ بنالیا ہے۔

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے ماہ محرم الحرام میں کئے جانے والے برے کاموں کی سخت مذمت فرمائی ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

تعزیہ ممنوع ہے شرع میں اس کی کچھ اصل نہیں اور جو کچھ بدعات ان کے ساتھ کی جاتی ہیں

سخت ناجائز ہیں۔تعزیہ پر مٹھائی چڑھائی جاتی ہے اگرچہ حرام نہیں ہو جاتی مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز کی وقعت بڑھانے اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے لہٰذا!نہ کھائی جائے۔ڈھول بجانا حرام ہے۔(فتاوی رضویہ جلد8/صفحہ 180)

صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمتہ والرضوان بہار شریعت میں بڑے مفصل اور واضح انداز میں ان بدعات و خرافات کی تردید فرماتے ہیں:

تعزیہ داری کہ واقعاتِ کربلا کے سلسلے میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے ہیں اور ان کو حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک کی شبیہ کہتے ہیں، کہیں تخت بنائے جاتے ہیں، کہیں ضریح قبریں بنائی جاتی ہیں اور علم و شدے نکالے جاتے ہیں ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں، تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے آگے پیچھے ہونے میں جاہلیت کے سے جھگڑے ہوتے ہیں، کبھی درخت کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں، کہیں چبوترے کھدوائے جاتے ہیں، تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں، سونے چاندی کے علم چڑھائے جاتے ہیں، ہار پھول ناریل چڑھائے جاتے ہیں، وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں، بلکہ اس شدت سے منع کرتے ہیں کہ گناہ پر بھی ایسی ممانعت نہیں کرتے، چھتری لگانے کو بہت برا جانتے ہیں، تعزیوں کے اندر مصنوعی قبریں بناتیں ہیں، ایک پر سبز غلاف اور دوسرے پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں، سبز غلاف والے کو حضرتِ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور سرخ غلاف والے کو حضرتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبریں یا شبیہ بتاتے ہیں۔

وہاں شربت مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلاتے ہیں یہ تصور کر کے کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضے اور مواجہ اقدس میں فاتحہ دلا رہے ہیں، پھر یہ تعزیے دسویں تاریخ کو مصنوعی کربلا میں لے جاکر دفن کرتے ہیں گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر

آئے، پھر تیجہ دسواں چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے، اسی سلسلے میں نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے اور سینہ کوبی بھی ہوتی ہے، اتنے زور زور سے سینہ کو کوٹتے ہیں کہ سینے میں خون بہنے لگتا ہے یہ سب ناجائز و خرافات ہیں، تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے اور تعزیہ جب گشت کو نکلتا ہے اس وقت بھی اس کے آگے مرثیہ پڑھا جاتا ہے، مرثیہ میں غلط واقعات نظم کیے جاتے ہیں، اہل بیت کرام کی بے حرمتی اور بے صبری اور جزع و فزع کا ذکر کیا جاتا ہے، کیوں کہ اکثر مرثیے رافضیوں کے ہی ہیں، بعض میں تبراء بھی ہوتا ہے، مگر اس رو میں سنی بھی بے تکلف پڑ جاتے ہیں اور انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں، یہ سب ناجائز و گناہ کے کام ہیں۔ اظہارِ غم کے لئے سر کے بال بکھیرتے ہیں، کپڑے پھاڑتے ہیں اور سر پر خاک ڈالتے ہیں، یہ سب ناجائز اور جاہلیت کے کام ہیں، ان امور سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں ان سب کاموں کی ممناعت آئی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے امور سے پرہیز کریں جن سے اللہ رب العزت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے ہیں کہ یہی نجات کا راستہ ہے۔(بہار شریعت، حصہ 16، صفحہ 248/249)

لہٰذا! مسلمانوں پر لازم ہے وہ ان تمام بدعات و خرافات سے بچیں اور عوام اہلسنت کو بچائیں۔ دوسرے لوگ اہلسنت پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ تمام خرافات سنیوں کی ہیں حالانکہ کسی بھی عالم نے یا کسی بھی کتاب میں ان خرافات کو جائز نہیں کہا گیا بلکہ علماء اہلسنت نے اس کی جم کر مخالفت فرمائی ہے۔ یہ سب جاہل عوام کے کام ہیں۔ لہٰذا! ہمیں ان کی اصلاح کے لئے کمربستہ ہونا چاہیے اور جو جائز امور ہیں ان کو دل و جان سے کرنا چاہیے۔ اللہ رب العزت ہمیں حق قبول کرنے اور حق پر ثابت رہنے اور حق کو عام کرنے کی توفیق و طاقت عطا فرمائے۔

موجودہ طرزِ سیاست پر تنقیدی نظر

تحریر: ایم آزاد، ایم۔ اے

سیاست "کا لفظ سنتے ہی کیفیت عجیب و غریب ہونے لگتی ہے، بعض کو نفرت گھیر لیتی ہے، بعض عدم اطمینان کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وجہ صرف اس کے موجودہ مفہوم کی ہے، نظام جمہوریت سے اس کے الحاق کی ہے، دور حاضر کے سیاست دانوں کے سیاہ کارناموں کی ہے ورنہ سیاست نہ اپنے لفظی و لغوی معنی کے اعتبار سے بری ہے اور نہ ہی اپنے حقیقی مفہوم کے لحاظ سے بری ہے، بلکہ یہ تو حکم الہی ہے، انداز انبیا ہے، سنت رسول ہے، طریقہ خلفائے راشدین ہے، اور سلیقہ صالحین ہے۔

سیاست کا لغوی معنی ہے: معاملات چلانا اور تدبیر و انتظام کرنا اور اصطلاح میں حکومت چلانے کے فن کو سیاست کہتے ہیں یوں کہ عوام کو دینی اور دنیاوی معاملات میں اصلاح کے قریب کرنا اور فتنہ و فساد سے دور رکھنا۔

علمائے دین کے نزدیک سیاست کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت و طریقے پر عمل، استعمار کے خلاف علمی و عملی جہاد مفاسد کا سد باب اور باہمی نصیحت و تفہیم پر کار بند رہا جائے، جبکہ فلاسفہ کی نظر میں فن حکومت اجتماعی زندگی کا سلیقہ، صحیح اخلاق کی ترویج وغیرہ سیاست ہے۔" قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو سیاسی حوالے سے جو ہدایات ملتی ہیں وہ یہ ہیں کہ حاکم وقت لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے، معاشرے کو ظلم و ستم سے پاک کرنے کی بھرپور کوشش کرے، حدود و

قوانین شریعت کو نافذ کرے، فتنہ و فساد ہر گز برپا نہ کرے، صلہ رحمی کرے اور قطع رحمی سے دور رہے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے، الغرض دینی و دنیاوی تمام معاملات میں عدل و انصاف کو قائم رکھے۔ رسول کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی سیرت مبارکہ بھی سیاست کو بڑے احسن انداز میں سمجھاتی ہے کہ سیاست کے قرآنی مفہوم کی عملی تصویر رسالت ماب صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی مقدس زندگی میں پورے آب و تاب کے ساتھ دکھائی دیتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ سیاست تو حضرات انبیائے کرام کی ایک مبارک سنت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

كَانَتْ بَنُوإِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي

ترجمہ: بنی اسرائیل کا سیاسی انتظام انبیاء کرام فرماتے تھے، جب ایک نبی تشریف لے جاتے تو دوسرے ان کے بعد تشریف لاتے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (صحیح بخاری (1/491)

یہاں سیاست بمعنی ملکی و قومی انتظام ہے جس میں دینی انتظام بھی داخل ہے یعنی بنی اسرائیل میں خود حضرات انبیاء کرام سارے قومی، ملکی، ملی اور دینی انتظام فرمایا کرتے تھے۔ (مراۃ المناجیح (5/576)

رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے بعد سیاست خلافت راشدہ کی شکل میں اپنی برکات و ثمرات پھیلاتی رہی، دور خلافت کی سیاست بڑی عظیم الشان و کامیاب رہی۔

خلفائے راشدین نے منہج نبوت کو قائم رکھا، قرآن و سنت کے نفاذ میں اعلیٰ سے اعلیٰ اقدامات فرمائے، خلیفہ کی ذمہ داری اور خلافت کی حقیقت کو مسلمانوں کے پہلے خلیفہ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری خطبے میں یوں بیان فرمایا: ہمارے تمام تر معاملات امر خلافت کے تابع ہیں، اس امر خلافت کے آخری حصہ کی اصلاح اسی طریقہ سے ہوگی جس طریقہ سے اس کے ابتدائی حصہ کی اصلاح ہوئی تھی۔

اس امر خلافت کا بوجھ وہی اٹھا سکتا ہے جو تم میں زیادہ طاقت والا ہو اور اپنے نفس پر سب سے زیادہ قابو پانے والا ہو، سختی کے موقع پر خوب سخت اور نرمی کے موقع پر خوب نرم ہو اور شوریٰ والے اہل رائے کی رائے کو خوب جانتا ہو، لایعنی میں مشغول نہ ہوتا ہو، جو بات ابھی پیش نہ آئی ہو اس کی وجہ سے غمگین و پریشان نہ ہو علم سیکھنے سے شرماتا نہ ہو، اچانک پیش آجانے والے کام سے گھبراتا نہ ہو، مال سنبھالنے میں خوب مضبوط ہو اور غصہ میں آکر کسی زیادتی کرکے مال میں خیانت بالکل نہ کرے اور آئندہ پیش آنے والے امور کے لئے تیاری رکھے اور احتیاط وچوکنا پن اور اطاعت خداوندی سے بروقت آراستہ ہو اور ان تمام صفات کے حامل حضرت عمر بن خطاب ہیں۔(ابن عساکر، اسلام اور سیاست، ص(15)

اسلام کے پہلے خلیفہ راشد نے اپنے اس خطبہ میں جن امور کا تذکرہ کیا ہے اس پر خود انہوں نے بڑی دانائی و تدبیر کے ساتھ عمل بھی کیا۔ آپ اپنے دور کے بہترین مدبر اور زبردست سیاستدان ثابت ہوئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

صدیق اکبر بعد نبی (صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم) تمام مخلوق سے بڑے عالم اور بڑے سیاست دان تھے انہی کے علم پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن اپنے حجرے میں ہوا انہی کے علم پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑا ہوا مال وقف بنا انہی کے علم پر اس جہاد کی تیاری ہوئی اگر آج آپ تھوڑی نرمی کرتے تو فرائض اسلامی کے انکار کا دروازہ کھل جاتا اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت آپ ہی کو جانشین امام نماز بنایا، انہی کی سیاست سے حجاز بلکہ عرب میں امن و امان بحال ہوا اور فاروقی فتوحات کے لیے راستہ صاف ہوا. (مراۃ المناجیح (3/19)

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جس اعتماد و یقین کے ساتھ ایک خلیفہ برحق اور کامیاب سیاستدان کے اوصاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت فرمائے اس حق الیقین نے عین الیقین کی صورت اختیار کرلی اور دور فاروقی اسلامی شان و شوکت کے عروج پر پہنچ گیا، مجدد اعظم امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں: جب خلافت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو آپ نے سیاست کو اس طرح بہتر انداز میں نبھایا کہ کسی غیر نبی سے ایسا ممکن نہ تھا اگر عقل سلیم کو امور خلافت میں بروئے کار لایا جائے تو محسوس ہوگا کہ انبیاء کی خلافت کا کام ان سے بہتر نبھایا نہیں جاسکتا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن دو معاملات کی طرف بہت ہی زیادہ توجہ دیتے تھے ان میں سے ایک تعلیم علم ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے مسائل میں کھود کرید کرکے اور نہایت ہی محنت و کوشش کے ساتھ کتاب و سنت، اجماع و قیاس کی ترتیب کو قائم فرماکر تحریف کے تمام راستے بند کردیئے، چنانچہ تمام صحابہ نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ وہ اپنے دور میں سب سے زیادہ بڑے عالم تھے اور دوسرا معاملہ جہاد کا تھا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کو اس طرح نبھایا کہ اس سے بہتر تصور نہیں کیا جاسکتا۔

یافعی کہتے ہیں کہ 14ھ میں دمشق فتح ہوگیا اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ فاروق اعظم کے دور میں ایک ہزار چھتیس (1036) شہر مع مضافات فتح ہوئے، چار ہزار (4000) مساجد کی تعمیر ہوئی چار ہزار (4000) کنیسے تباہ کئے گئے ایک ہزار نو سو (1900) منبر تیار ہوئے (ت) (فتاوی رضویہ (5/559)

سعید ملت محدث وقت علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شان خلافت اور سیاسی بصیرت پر یوں تبصرہ کرتے ہیں: جزیرہ عرب سے لیکر ساحل مکران تک تمام حکام ان کے رعب سے سہمے ہوئے رہتے تھے، عہد عمر کی تہذیب، قانون، معیشت، عوام کی خوشحالی اور فتوحات دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ایک اور عمر مل جاتا تو آج دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اور مذہب نہ ہوتا۔ (مقالات سعیدی، ص 206) اپنے تو اپنے ہیں غیر مسلموں نے بھی آپ کے عدل و انصاف کی گواہی دی اور شاندار سیاست و حکومت کے قصیدے پڑھے۔

اسلامی سیاست کے متعلق علامہ شہزاد ترابی مدظلہ العالی کا تبصرہ بڑا جاندار و شاندار ہے، آپ لکھتے ہیں ہمارے اسلاف کی سیاست بڑی پاکیزہ سیاست تھی ان کی سیاست رعایا کے ساتھ حقوق کے لیے تھی۔ ان کی سیاست زمین پر عدل قائم کرنے کے لئے تھی ان کی سیاست مظلموں کی حمایت کے لئے تھی، ان کی سیاست نظام مصطفی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے قیام کے لئے تھی، ان کی سیاست اسلامی قوانین کے تحفظ اور نفاذ کے لئے تھی، ان کی سیاست اسلام کی دعوت عام کرنے کے لئے تھی ان کی سیاست عدلیہ کی آزادی کے لئے تھی ان کی سیاست ظالم و جابر لوگوں کو سزا دلوانے کے لئے تھی۔

پھر جب وہ حکمران بن جاتے تو اپنی سرزمین کو عدل وانصاف سے بھر دیتے، رب تعالی سے ہر وقت ڈرتے رہتے اسلامی قوانین کو اولین ترجیح دیتے تمام فیصلے قرآن وسنت کے مطابق کرتے، سب کو یکساں حقوق فراہم کرتے، غیر مسلم بادشاہوں کو دعوت اسلام دیتے حکومت کو آزمائش کی چیز سمجھتے، بیت المال کو اپنا نہیں ملک وملت کی امانت تصور کرتے، رعایا کی خبر گیری کرتے۔

اپنے آپ کو رعایا کے جان ومال کا امین سمجھتے، جذبہ جہاد سے ہر وقت سرشار رہتے اچھے مشیروں سے مشورہ لیتے ایمان دار اور متقی حضرات کو عھدہ عطا کرتے، رعایا کی شکایت پر بڑے سے بڑے عہدیدار کے خلاف جلد اور سخت ایکشن لیتے خود بھی عمل کرتے اور رعایا کو بھی فرائض وواجبات کی تلقین کرتے اپنے کردار سے رعایا بلکہ پوری دنیا کو متاثر کرتے حتی کہ ان کے دنیا سے رخصت ہونے پر رعایا روتی اور افسوس کرتی۔(اسلام اور سیاست ص8)

خلافت راشدہ کے بعد سیاست اپنا تقدس وو قار اور پاکیزگی و طہارت آہستہ آہستہ کھونے لگی، ہر آنے والا زمانہ پچھلے زمانے سے برا ہوگا" کے مصداق علاوہ چند خلفا و سلاطین اسلام کے بعد والوں نے سیاست کا حلیہ بگاڑنا شروع کر دیا، زمانے نے یزید وحجاج جیسے ناخلف ونالائق سیاست دان بھی دیکھے اور پاکیزہ سیاست کی جڑیں کاٹنے والے باغیوں سے بھی سابقہ پڑا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ

خلافت و سیاست کی شان و شوکت کا سورج غروب ہو گیا۔

خلافت اسلامیہ، سلطنت عثمانیہ اور مرکزی طرز حکومت سب ختم ہو گئے اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ اسلامی ملکوں میں بھی انگریز کے دیے ہوئے تحفے جمہوریت نے سیاست کو گود لے لیا اور پھر جو بیڑا اغرق ہوا کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔

موجودہ طرز سیاست کی خرابیوں کی ایک لمبی فہرست ہے، خرابیاں بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں، بس ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب علم و دانش اور اصحاب حکمت و مناصب ان کی اصلاح میں کوشاں رہیں۔اپنے دائرہ اثر میں اپنے تئیں جتنی بہتری لا سکتے ہیں کوشش جاری رکھیں،ہم کلی طور پر جمہوریت زدہ سیاست سے متفق نہیں، اصل تو نظام خلافت ہے جو حقیقی نظام مصطفی ہے اور سیاست سے یہی مطلوب و مقصود ہے۔ لیکن پھر بھی اپنے موضوع کے مناسب یہاں موجودہ سیاست کی خرابیوں پر بات کرتے ہیں عربی کا مقولہ ہے: ما لا يدرك كله لايترك كله"۔

(1)موروثی سیاست:

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر انسان کا مزاج و طبیعت یکساں نہیں ہوتے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ خاندان کے ہر فرد میں سیاست و حکومت کی صلاحیت واہلیت ہو تو پھر یہ سوچ کہ ہمارے خاندان میں ایک بڑا لیڈر پیدا ہو گیا تو اب ہمارے ہی خاندان کے افراد سیاست کرنے کے حق دار ہیں عقل و حقیقت سے بہت دور ہے۔ جب حقیقت یہی ہے کہ سیاست اہلیت و صلاحیت کی بنیاد پر ہونی چاہیے نہ کہ باپ دادا کے نام پر اور صلاحیت کا اصل معیار وہی ہے جو خلافت راشدہ کا تقاضا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امر خلافت کی صلاحیت صرف وہی آدمی رکھتا ہے جو مضبوط ہو لیکن سخت اور درشت نہ ہو نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو سخی ہو لیکن فضول خرچ نہ ہو، احتیاط سے خرچ کرنے والا ہو لیکن کنجوس نہ ہو۔(ابن سعد اسلام اور سیاست، ص16)

اس معیار پر موجودہ سیاست دانوں کو تول لیں کوئی بھی پورا اترتا نظر نہیں آتا۔ موروثی سیاست کے سبب ایک سے بڑھ کر ایک نااہل و نالائق منصب و کرسی پر مسلط ہے۔ دعوی تو یہ ہے کہ ہمارا

لیڈر سیاسی یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہے مگر اس یونیورسٹی میں صرف خاندان کے لوگوں کو ہی ایڈمیشن ملتا ہے۔ موروثی سیاست نے کسی نہ کسی صورت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔جنگ اخبار26مئی 2024 کی اشاعت میں ہے تحقیق کے مطابق فلپائن میں موروثی سیاست کی شرح سب سے زیادہ یعنی 60 فی صد ہے جب کہ پاکستان میں 52 فی صد بھارت میں 29 فی صد، امریکا میں 6 فی صد اور کینیڈا میں 3 فی صد ہے۔ دوسری جانب پاکستان کے معروف انگریزی جریدے ہیرالڈ کے مئی 2013ء کے شمارے میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق 1970ء کی دہائی سے پاکستانی سیاست پر 597 خاندان قابض ہیں۔ موروثی سیاست کی 52 فی صد شرح اور 597 خاندانوں کا سیاست پر قبضہ ایک جمہوری ریاست میں کسی طور قابل قبول نہیں کیوں کہ جمہوریت کا مطلب ہی سب کو سیاست اور حکومت کے یک ساں مواقع فراہم کرنا ہے، جب کہ موروثی سیاست سے عام سیاسی کارکنان کی حق تلفی ہوتی ہے۔ (جنگ اخبار26مئی2024ء)

ہمارے ہاں موروثی سیاست کو سب سے زیادہ فروغ جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام نے دیا۔

جاگیر داروں، وڈیروں، چودھریوں، شریفوں، زرداریوں، قریشوں، گیلانیوں، ٹوانوں، مخدوموں، شاہ صاحبوں اور پیروں وغیرہ کا اولاد در اولاد سیاست پر قبضہ، تسلط اور گہرا اثر ورسوخ ہے، انہی خاندانوں سے وابستہ افراد قومی وصوبائی اسمبلیوں کا حصہ بنتے ہیں، اور پھر قومی خزانے کی جو بندر بانٹ ہوتی ہے اور جو لوٹ مار مچائی جاتی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، اس موروثی سیاست کو مضبوط کرنے اور دوام بخشنے والے سیاسی جماعتوں کے عقیدت مند کارندے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ موروثی سیاست میں عقیدت مندی رضاکارانہ ہوتی ہے۔

(2) امیر وغریب کا امتیاز:

موجودہ سیاست کی ایک خرابی یہ ہے کہ اس نے اہل وطن کو طبقاتی تقسیم میں بانٹ دیا ہے۔ امیر و غریب کے درمیان فاصلہ بڑھا دیا ہے، گویا پورے ملک کے اعتبار سے ڈبل اسٹنڈرڈ کا ناسور موجودہ سیاست کا تحفہ ہے۔ سیاست دانوں، قومی و صوبائی

اسمبلیوں کے ممبران کے لیے الگ قانون ہے اور عام عوام کے لیے الگ، مالدار جب چاہیں قانون توڑیں انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ قانون (جج و وکیل) خرید لیتے ہیں، اور بے چارہ غریب ساری عمر عدالتوں کے دھکے کھاتا رہتا ہے۔ ہمارا قانون اب ایسا جال بن چکا ہے جسے طاقت ور مگرمچھ پھاڑ کر نکل جاتا ہے اور کمزور مچھلی پھنس جاتی ہے، صرف قانون ہی کیا یہاں تنخواہوں کا معاملہ ہو مراعات کی بات ہو یا پھر سہولتوں کی تقسیم ہو سب میں امتیازی سلوک روا ہے بلکہ رواں دواں ہے۔

(3) اقربا پروری:

ایک خرابی اقربا پروری ہے۔ ہاں اگر اپنا قریبی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے تو ضرور اسے منصب دینا چاہیے ورنہ موجودہ طرز سیاست میں اپنے عزیز و اقارب کو عوام کے خون پسینے کی کمائی سے خوب نوازا جاتا ہے، یوں کہ نا اہل رشتے داروں کو بڑے بڑے ٹھیکے دلائے جاتے ہیں، بڑے بڑے عہدوں پر بٹھادیا جاتا ہے، اداروں میں سیاسی بھرتیاں لازم ہوتی ہیں، قومی اداروں کی تباہی و بربادی میں بہت بڑا ہاتھ اس اقربا پروری کا بھی ہے۔ ظاہر ہے جب صلاحیت واہلیت کے بجائے اپنی پسند کے افراد تعینات کیے جائیں گے اور وہ ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہیں گے تو ادارہ کیا خاک ترقی کرے گا۔

(4) قومی خزانہ اور لوٹ مار:

جب بھی نئی حکومت بنتی ہے تو شور مچایا جاتا ہے کہ خزانہ خالی ہے، سابق گورنمنٹ سب کھا گئی، بیت المال یعنی قوم کے خزانے کو دونوں بلکہ چاروں ہاتھ پاؤں سے لوٹا جاتا ہے۔ سیاست دان اپنے اثر و رسوخ کے تحت نہ صرف خزانے پر ہاتھ صاف کرتے ہیں بلکہ سرکاری بینکوں سے بڑے بڑے قرضے لیتے اور کروڑوں اربوں ہتھیا کر بعد میں معاف کروالیتے ہیں۔

تنخواہوں اور مراعات کے نام پر اربوں کھربوں کی لوٹ کھسوٹ ہوتی ہے، عیاشیاں اور فضول غیر ملکی دورے اس پر مزید بر آں، اور جب اپنا خزانہ خالی دیکھتے ہیں تو انٹرنیشنل بھکاریوں کی طرح کشکول لے کر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے سامنے قوم کے نام پر بھیک مانگتے ہیں، قوم کو تو کچھ فائدہ ہوتا نہیں لیکن ان بھوکے بھیڑیوں کے بینک بیلنس میں اضافہ ہوجاتا ہے، الٹا قوم عالمی قرضوں

کے بوجھ تلے مزید دب جاتی ہے۔ آپ ملک کے کسی ادارے کا نام نہیں لے سکتے جہاں کرپشن نے اپنے پنجے نہ گاڑ رکھے ہوں۔

(5) سیاسی حریفوں سے انتقام:

طاقت کا نشہ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ موجودہ طرز سیاست میں یہ خرابی بھی بہت عام ہے، جہاں حکومت ملی، طاقت آئی تو اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف جھوٹے مقدمے درج کروائے جاتے ہیں۔ ان پر مختلف طریقے سے ظلم و ستم کیا جاتا ہے، ان کے حقوق پر ڈاکہ زنی ہوتی ہے، کرپشن کے الزامات لگا کر جیل بھیجا جاتا ہے اور مقدمہ بازیوں کی ذلت میں مبتلا کیا جاتا ہے، یہ سب عام ہے۔ ہر حزب اقتدار پارٹی کا وطیرہ ہے بلکہ طرہ امتیاز ہے۔

(6) خلاف اسلام کاروائیاں:

موجودہ طرز سیاست کی سب سے بڑی خرابی مقدسات دین، اصول دین، اور اسلامی حدود و تعزیرات وغیرہ سے چھیڑ چھاڑ کرنا ہے۔ اپنے مغربی آقاؤں کے ایما پر دنیاوی مال و متاع کی حرص و ہوس اور لبرل سوچ کے تحت اپنے ملک میں اسلام کے خلاف سازشوں کا حصہ بننا سیاست دانوں کا معمول ہے۔ خلاف دین کسی بھی سازش کے پیچھے انہی سیاست دانوں اور سیاسی پارٹیوں کا ہاتھ ہوتا ہے، خلاف اسلام کاروائیوں میں ان سیاسی کرتا دھرتاؤں کے ہاتھ مضبوط کرنے والے عناصر میں غیر ملکی این جی اوز، ان سے وابستہ میرا جسم میری مرضی والی انٹیاں، موم بتی مافیا اور سوشل و الیکٹرونک میڈیا پیش پیش ہے۔

موجودہ طرز سیاست کی خرابیوں کی فہرست تو بہت طویل ہے، یہاں مشتی نمونہ از خروارے بعض کو ذکر کیا گیا ہے۔ رب کریم ہمارے سیاست دانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے، حقیقی و پاکیزہ سیاست کی سمجھ و توفیق سے نوازے، تاکہ یہ بھی اصل سیاست کو بروئے کار لاکر خدمت خلق کا فریضہ انجام دیں ،اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنے دارین سنوار لیں ورنہ موجود طرز سیاست بجائے راہ جنت کے جہنم کے راستے پر چلانے والی ہے

یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے

از: مولانا خلیل احمد فیضانی

فکری طور پر ہماری قوم کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔
سطحی فکر، کچی ذہنیت اور بے ڈھنگے انداز کے
ساتھ حیات مستعار کے ایام کٹے جا رہے ہیں۔
اخلاقی قدریں اور مذہبی غیرتیں عوام کے دل و
دماغ سے ختم سی ہو چکی ہیں۔
متاع قلیل کے حصول کے لیے ایمان تک کے
سودے کیے جا رہے ہیں۔
فکریں بانجھ ہیں تو حمایتِ مذہب کا جذبہ بھی
سرد مہری کا شکار ہو چکا ہے۔
ماضی قریب میں مشرکین نے قانونی دفعات
میں جعل سازی کر کے یا عیارانہ طور پر بابری مسجد پر
ناجائز قبضہ کیا اور حال ہی میں وہاں پر رام مندر کی
استھاپنا (تنصیب) بھی کر دی

شرکیہ مقام کی استھاپنا (تنصیب) کا یہ لمحہ ایک
غیرت مند مومن کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں
تھا۔
دماغ ڈول رہے تھے تو دل بیٹھ رہے تھے۔
مگر اسی دورانیے میں ہم نے کچھ دُور کے تو کچھ
نہایت قریب کے دین بیزاروں اور فکری غلاظت
کے مریضوں کو دیکھا کہ انہوں نے اس موقع پر
قائدین ہنود کو تبریک کے ہدیے پیش کیے اور ان
کے لیے خیر خواہانہ جذبات کا اظہار کیا۔
اس دل سوز سانحہ کے بعد بھی بعضے مسلمانوں کا
یہ ردِ عمل کسی قیامت کے پیش خیمہ سے کم نہیں ہے
ان کی زار زار حالتوں پر جتنا رویا جائے اتنا ہی کم ہے۔

ایمان کی حالت یہ ہے کہ یہ کور چشم افراد ابھی
تک اس آفاقی دین کی وسعتوں اور حقیقی و روحانی
لذتوں سے آشنا نہیں ہیں۔
ان کی اس روش پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ مگر
اب یہ موقع نہیں ہے کہ قوم کی اس ذہنی و
فکری پسماندگی پر نوحہ کیا جائے بلکہ اب صرف عملی
اقدامات کی ضرورت ہے جس سے جو بن پڑے سو کرے۔
قوم یقیناً بے حس و فکری طور پر فرسودہ ہو چکی ہے۔
اور اوپر سے جلتے میں پٹرول ان حضرات نے
ڈالا جنہوں نے شرکیہ امور کی نازکی کو یکسر ختم
کر دیا.... اب حال یہ ہے کہ دینی جذبہ و غیرت رہی
اور نہ ہی مومنانہ زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ رہا۔
دینی، ملی، سماجی اور علمی کسی بھی زاویے سے
ہماری قوم کو دیکھا جائے فکری مردنی کے لاشے ہی
لاشے نظر آتے ہیں۔
افکار و تخیلات پر گویا اوس سی پڑ گئی ہے۔
بلند خیالی اور وسعت صحرا کے حاملین افراد کی
اب صرف صدائے بازگشت ہی رہ گئی ہے۔
"تن ہمہ داغ داغ شد ÷ پنبہ کجا کجا نہم"
(پورا بدن داغ داغ ہو گیا ہے رُوئی کہاں کہاں
رکھوں)
مگر ہمیں یاسیت کا شکار نہیں ہونا ہے۔ ان شاء
اللہ تعالی
ان تیرو تاریک اندھیروں میں بھی کہیں سے
روشنی کی کرنیں ضرور پھوٹیں گی۔
صبح کاذب کے بعد صبح صادق ضرور نمودار ہوتی ہے۔
شب ظلمت کے دبیز پردوں کو چاک کرتے
ہوئے سپیدہ سحر ضرور نکل آتا ہے۔
قحط سالی کے زور کے بعد بہار کی رُت ضرور آتی ہے۔
بس ہمیں استقامت فی الدین کا مظاہرہ کرنا ہے۔
ہماری اولین ترجیح دین ہونا چاہیے نہ کہ دنیوی
رذیل اشیا۔
اب کرنے کے کام یہ ہے کہ غیر ضروری بار کو
ڈھونے کی بجائے اپنی افکار کا قبلہ درست کریں۔
من کا تزکیہ کریں۔
نیتوں میں اخلاص اور جذبات میں عزم پیدا
کریں۔ مداہنت و دیوثی کو چھوڑ کر "كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ
لِلّٰهِ" کے مصداق اتم بنیں تو دین و دنیا کی بھلائیاں
دامن میں اتر آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالی

انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے مقاصد

از:مولانا زوہیب علی

انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے مقاصد

آزادی ایک ایسی نعمت ہے کہ جسے ہر ذی شعور عقل سلیم والا انسان حاصل کرنا چاہتا ہے بلکہ جن کو یہ نعمت بغیر طلب کے مل جاتی ہے وہ بھی اس نعمت کو باقی رکھنا چاہتے ہیں غلامی کی زندگی جینے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں اور نہ ہی کوئی اس کو پسند کرتا ہے. ہر کوئی چاہتا ہے کہ وہ اپنی اپنی ایک آزاد زندگی جیے اور ہر ممکن عمل کو بجا لائے۔ ہندوستان میں جب انگریزوں نے قبضہ کر لیا اور مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے تاریخ میں یہاں تک موجود ہے کہ ایک دن میں سینکڑوں علماء کو پھانسی دی جاتی تھی، مسلمانوں کو شعائر اسلام سے منع کر دیا گیا اور طرح طرح کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور کیا گیا مسلمان تو مسلمان ہیں۔ غلامی کی زندگی جینا مسلمانوں کے لیے انتہائی اذیت کی زندگی ہے کہ غلامی کی زندگی میں وہ اپنے معبود وحدہ لاشریک کی عبادت کی اچھے طریقے سے ادائیگی نہیں کر پاتے تھے، اسی تناظر میں مسلمانوں نے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا شروع کر دی حتی کہ 1947 میں پاکستان معرض وجود میں آگیا اور اب تک آزاد ہے۔ الحمدللہ

انگریز کے آنے سے جہاں مسلمانوں کو غلامی کی زندگی گزارنی پڑ رہی تھی وہیں پر ایک بڑی مصیبت کا سامنا یہ تھا کہ انگریز مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کو ترجیح دیتا تھا۔ مسلم لیگ کے کچھ رہنماؤں میں بعض لوگ ایسے تھے جو فقط یہ چاہتے تھے کہ فقط انگریز سے آزادی حاصل ہو جائے جیسا کہ قائد اعظم محمد علی جناح صاحب کا اول موقف یہ ہی تھا

لیکن کچھ کا یہ موقف تھا کہ جیسے انگریز سے آزادی حاصل کرنی ہے ایسے ہی ہندوؤں سے بھی آزادی حاصل کرتی ہے اور ایک الگ سے مسلم ریاست بنانی ہے ان میں سر فہرست نام جس بندے کا آتا ہے وہ ڈاکٹر اقبال ہیں۔

قائد اعظم محمد علی جناح کے موقف کو تبدیل کرنے والے بھی ڈاکٹر اقبال ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کے سمجھانے اور قائد اعظم کے اپنے مشاہدے سے یہ بات ان کو سمجھ آگئی کہ انگریز سے آزادی کے ساتھ ہندوؤں سے آزادی بھی ضروری ہے کہ جب سیاسی معاملات میں آپ نے دیکھا کہ ہندو مسلمانوں کو ترجیح نہیں دیتے بلکہ اپنے معاملات کو ترجیح دیتے ہیں اور انگریز کے سامنے مسلمانوں کو برا ثابت کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ اقتدار میں آگئے تو یہ لوگ کبھی بھی مسلمانوں کے حق میں اچھا نہیں کریں گے اور یہ لوگ مسلمانوں کو اپنا غلام بنا کے رکھنا چاہتے ہیں تو قائد اعظم محمد علی جناح کا بھی وہی موقف ہو گیا جو موقف ڈاکٹر اقبال کا تھا یعنی انگریزوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں سے بھی آزادی حاصل کرنی ہے۔

پاکستان بنانے میں اور انگریزوں اور ہندوؤں سے مجموعی طور پر آزادی حاصل کرنے میں دینی مقاصد شامل تھے۔ اولا ترجیح دینی مقاصد کو ہی تھی اور اسی کو لے کر تحریک آزادی کو کامیاب بنایا گیا یہاں تک کہ پاکستان معرض وجود میں آگیا اور مسلمانوں کو ایک آزاد ریاست حاصل ہو گئی۔

آزادی حاصل کرنے اور پاکستان کے وجود میں بہت سے اغراض و مقاصد تھے اور ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

اسلامی ریاست و معاشرے کا قیام

اسلامی نظام کا نفاذ

دو قومی نظریہ کا تحفظ

مسلمانوں کی سیاسی و معاشی ترقی

اتحاد عالم اسلام و قلعہ اسلام

اسلامی ریاست و معاشرے کا قیام

اسلامی سلطنت ختم ہونے کے بعد مسلمان اس بات کو بخوبی جان گئے تھے کہ اگر عزت کی زندگی گزارنی ہے تو ایک مضبوط اسلامی ریاست قائم کرنا بہت ضروری ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں اور اسلامی معاشرہ اسلامی ریاست کے بغیر قائم کرنا انتہائی دشوار ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ جب انگریز قابض ہوا تو اس نے مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا اور ہندوؤں کو مسلمانوں پر ترجیح دینا شروع کر دی اور مسلمانوں کو ان کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم کرنے لگا تو مسلمان جس

کی ضرورت محسوس کر رہے تھے (یعنی اسلامی ریاست کا قیام)

اس میں اور زیادہ پختہ ہو گئے اور کوشش کرنے لگے تاکہ ظلم و بربریت سے نجات حاصل کی جاسکے اور اسلامی معاشرہ قائم کیا جاسکے اور یہ مسلمانوں کی ضرورت بھی تھی اور اسلام کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ایک الگ سے ریاست قائم کی جائے اور وہاں پر اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے اس کے نظیر ہمیں تاریخ اسلام میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ریاست مدینہ قائم کرنے سے ملتی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک الگ اسلامی ریاست قائم کی تاکہ اسلامی معاشرہ قائم کیا جاسکے اسی چیز کو بیان کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے 8 مارچ 1944ء کو مسلم علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئی ارشاد فرمایا:

پاکستان کے مطالبے کا محرک کیا تھا؟ اور مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندؤوں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔

اسلامی ریاست قائم ہوگی تو اسلامی معاشرہ قائم ہوگا چونکہ انگریز سے پہلے اسلامی سلطنت قائم تھی تو اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں زیادہ مشقت نہیں تھی لیکن جو عروج و زوال اسلامی سلطنت میں آتا رہا وہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں مسلمان ہندوؤں کے ساتھ صدیوں سے رہتے آ رہے تھے اور بہت سارے لوگ ایسے تھے جن کے آبا و اجداد کے ہاں ہندو مسلم اخوت بھائی چارہ کا درس پایا جاتا ہے لوگ مسلمان ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کی تعظیم اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں لیکن انگریز کے آنے کے بعد اس میں بہت سی کمی واقع ہو گئی تھی اور ہندو کا رسم و رواج غالب آ رہا تھا۔

مسلمان ہونے کے بعد بھی بہت سے لوگ یہاں کی ثقافت کو نہیں چھوڑ پائے تھے اور بہت سی چیزیں ایسی تھی جو ہندوؤں سے انہوں نے لے لی تھیں اور ان کو چھوڑ پانا ان کے لیے بہت دشوار ہو رہا تھا پھر جب انگریز آیا تو اسلامی معاشرے میں وہ بات نہ رہی جو ایک اسلامی ریاست کے قیام سے ہوتی ہے۔ مسلمان غیر شعوری طور پر اسلامی تعلیمات سے دور اور ہندو رسم و رواج کے قریب ہوتے جا رہے تھے بہت سی ایسی غیر ضروری چیزیں جو ہندوؤں میں رائج ہیں وہ مسلمان اپنانے لگے تھے۔

اس لیے ضرورت تھی کہ ایک اسلامی معاشرہ قائم کر دیا جائے اور یہ تبھی ممکن تھا کہ جب مسلمان اپنی زندگی اسلام کے مطابق آزادی کے ساتھ گزار سکیں اس کے لیے اسلامی ریاست کی ضرورت تھی۔

اسلامی نظام کا نفاذ:

ہندو اگرچہ تحریک آزادی جمہوریت کے نام پر چلا رہے تھے اور وہ دعوی یہ کرتے تھے کہ وہ ایک جمہوری پارلیمانی نظام لے کر آنا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ہندو راج چاہتے تھے اور اس کا ثبوت ان کے کاموں سے، ان کے جلسوں سے ملتا ہے۔ اور وہ یہ چاہتے تھے کہ انگریز سے آزادی حاصل کی جائے لیکن مسلمانوں کو خود سے الگ نہ ہونے دیا جائے بلکہ ان پر اپنا راج جما کر ان سے پچھلے 800 سال کا بدلہ لیا جائے اور اس کا ثبوت آج بھی ان کے بیانات سے گاہے بگاہے ملتا رہتا ہے جو سوشل میڈیا پر وائرل ہوتے ہیں کہ کس قدر وہ مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں اور مسلمانوں سے 800 سال کا بدلہ لینا چاہتے ہیں اسی مقصد کی انجام دہی میں انہوں نے بابری مسجد کو بھی شہید کروا دیا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اسلامی سلطنت کی نشانیوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مسلمان چونکہ حاکم صرف اللہ ہی کو جانتے ہیں کہ حکم حقیقتاً اللہ ہی کا ہے وہ ہر شے پر قادر ہے اور اسی کا نظام کامل ہے لہذا مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ایسی ریاست کو قائم کیا جائے جس میں اللہ پاک کے احکام کی بجا آوری کی جائے اور یہ تبھی ممکن تھا جب یہ ریاست ہندوؤں سے الگ بنتی۔ اور اسلامی ریاست کے قیام کی مسلمانوں کی شدید آرزو تھی۔

قائد اعظم نے 1943ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے بیان کیا: مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرز حکومت کیا ہو گا۔ پاکستان کے طرز حکومت کا تعین کرنے والا میں کون ہوں۔

میرے خیال میں مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے تیرہ سو سال پہلے قرآن نے واضح کر دیا تھا۔

دو قومی نظریہ کا تحفظ:

ہندو تہذیب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ برصغیر پر جتنی بھی قومیں حملہ آور ہوئیں، وہ مقامی تہذیب میں جذب ہو کر اپنی علیحدہ قومی پہچان کھو بیٹھیں۔ لیکن اسلام وہ پہلا مذہب اور نظام حیات تھا، جس نے 800 سال ہندو تہذیب و ثقافت کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اپنی الگ پہچان کو قائم رکھا اور انگریزوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد

مسلمان اپنی علیحدہ پہچان کو نہ صرف برقرار رکھنا چاہتے تھے بلکہ اس کا مکمل تحفظ چاہتے تھے۔ کیونکہ ہندوؤں اور انگریزوں کی طرف سے مسلمانوں کی علیحدہ پہچان کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی قائد اعظم نے یہ بات 23مارچ1940ء کو بیان فرمائی۔

قومیت اور الگ وطن:

قومیت کی جو بھی تعریف کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک الگ قوم ہیں۔ لہذا اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ ان کی اپنی الگ مملکت ہو جہاں وہ اپنے عقائد کے مطابق معاشی معاشرتی اور سیاسی زندگی بسر کر سکیں۔ ہندو اور مسلم ہر چیز میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں ہم اپنے مذہب اپنی تہذیب و ثقافت اپنی تاریخ اپنی زبان، اپنے طرز تعمیر اپنے اصول و قوانین اپنی معاشرت اور اپنے لباس غرض کہ ہر اعتبار سے مختلف ہیں۔

مسلمانوں کی سیاسی و معاشرتی ترقی:

برصغیر کے اندر دو بڑی قومیں رہ رہی تھی ایک مسلمان اور دوسری ہندو۔ جب انگریز آیا تو ہندو نے انگریز کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی سیاسی معاشرتی اور معاشی حالات کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی مسلمانوں کے ہاں پورے نظام کی بنیاد اسلام ہے۔

انگریز نے مغربی معاشی نظام کو متعارف کرایا اور تجارت اور دیگر شعبہ جات میں ہندوؤں کو اقتدار دیا اور مسلمانوں کو محروم کیا یہاں تک کہ ملازمتیں حاصل کرنے میں اور دیگر نجی کاموں میں بھی مسلمانوں کو بہت مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، بڑے بڑے سرمایہ کار ہندو تھے اس لیے ہندوؤں کو تو سہولت ہوتی تھی لیکن مسلمانوں کو تنگ کیا جاتا تھا پھر سارا نظام سود کے بنا پر تھا تو اس سے مسلمان اور زیادہ عتاب کے شکار ہو گئے جب تحریک آزادی چلی تو مسلمانوں میں یہ سوچ پیدا کر دی گئی کہ اگر انگریز سے آزادی حاصل کر لی گئی اور ہندوؤں سے آزادی نہ حاصل کی گئی تو تو مسلمان ہندو سرمایہ دار اور زمینداروں کے چنگل میں پھنس کے رہ جائیں گے اور اپنے معاشی حالات کو کبھی بہتر نہ کر پائیں گے اس لیے ضروری ہے کہ ایک ایسی الگ ریاست قائم کی جائے جہاں پر مسلمان اپنے معاشی حالات کو اسلام کے قوانین اور قواعد کے مطابق بحال کر سکیں۔ 1 جولائی 1948ء کو قائد اعظم نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے مغرب کے معاشی نظام کو یوں تنقید کا نشانہ بنایا۔

”مغرب کا معاشی نظام انسانیت کے لیے ناقابل حل مسائل پیدا کر رہا ہے اور یہ لوگوں کے درمیان

انصاف کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ہمیں دنیا کے سامنے ایسا معاشی نظام پیش کرنا ہے جو اسلام کے صحیح تصور مساوات اور سماجی انصاف کے اصولوں پر ہو۔"

اتحاد عالم اسلام و قلعہ اسلام:

برصغیر کے مسلمان " اتحاد بین المسلمین " کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے اسلامی دنیا کے مسائل کو ہمیشہ اپنے مسائل اور ان کے غم کو اپنا غم سمجھا۔

طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں مسلمانان ہند نے سامراجی قوتوں کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ جب انگریزوں نے ترکستان میں خلافت کو ختم کرنے کی کوشش کی تو ہندوستان کے مسلمانوں نے تحریک خلافت شروع کر کے اسلامی اخوت کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ برصغیر کے مسلمانوں کا نظریہ تھا کہ اگر وہ علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پاکستان نہ صرف دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہو گی بلکہ وہ عالم اسلام کے اتحاد کا مرکز ثابت ہو گا۔ پاکستان کے وجود کی غرض صرف علاقائی نہیں تھی بلکہ پاکستان کو حاصل کرنے کی ایک غرض یہ تھی کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کا ایک مضبوط قلعہ قائم ہو اور دنیا کے مسلمانوں کو پاکستان کے ذریعے ایک قوت حاصل ہو۔ پاکستان وہ ریاست بنے جہاں سے اسلام کو استحکام اور فروغ حاصل ہو اور اس کے لیے ڈاکٹر اقبال نے اپنی فکر پیش کی اور قائد اعظم نے 20 دسمبر 1946ء کو قاہرہ میں فرمایا پاکستان ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر اہل مصر چاہتے ہیں کہ وہ اپنے گھروں میں آزاد رہیں تو انہیں ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ آج کوئی بھی ایسی مسلم مملکت نہیں جو پوری طرح آزاد ہو ایران بھی صدیوں کی آزادی کے بعد غلام بنالیا گیا اس وقت تک دنیا کے مسلمان اور عرب حکومتیں صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہوں گی۔ جب تک پاکستان قائم نہیں ہو گا۔ بعد ازاں متحد مسلمان راہنماوں نے پاکستان کو اسلام کا قلعہ کہا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ پاکستان ایک اسلامی نظریہ کے تحت وجود میں آیا اگر یہ نظریہ نہ ہوتا تو یہ عظیم اسلامی مملکت وجود میں نہ آتی اللہ ہمیں پاکستان کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین علیہ افضل الصلوات و التسلیمات

امام سعد الدین تفتازانی رحمۃُ اللہِ علیہ

از: مولانا احمد رضا مغل

نام ونسب : نام مسعود اور لقب سعد الدین، فخر الدین اور برھان الدین ہے۔والد کا نام عمر اور دادا کا نام عبداللہ جبکہ جائے نسبت تفتازانی ہے مکمل نام ونسب کچھ یوں ہے امام سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی۔

ولادت : آپ کی ولادت مبارکہ 722ھ میں خراساں کے شہر تفتازان میں ہوئی۔

تعلیم: امام تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم عضد الدین ایجی مؤلف" مواقف "سے پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قطب الدین رازی سے بھی استفادہ کیا تھا۔ تفتازانی نے جملہ مروجہ علوم صرف ونحو، منطق و فلسفہ، معانی و بیان اور اصول و تفسیر میں کمال حاصل کیا۔ (تاریخ بخارا ص55)

حیرت انگیز حافظہ : حضرت علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتابیں عالِم کورس کے نصاب میں شامل ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ قاضی عبدالرحمٰن شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں سب سے زیادہ کم ذہن طالب علم تھے ، بلکہ کم ذہن ہونے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مثال دی جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمت نہ ہاری بلکہ کسی کی بات کو خاطر میں لائے بغیر اپنے اسباق پڑھنے اور یاد رکھنے کے لئے کوشش اور محنت جاری رکھی۔ ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ سبق یاد کرنے میں مصروف تھے کہ ایک اجنبی شخص نے آکر کہا : سعدالدین !اُٹھو ، ہم گھومنے پھرنے چلتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا": مجھے گھومنے پھرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔(میری حالت ایسی ہے کہ) مطالعے کے باوجود مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا تو میں بھلا کس طرح سیر کو جا سکتا ہوں؟ یہ سُن کر وہ شخص چلا گیا لیکن کچھ دیر بعد پھر لوٹ آیا اور گھومنے پھرنے کے لیے چلنے کو کہا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہی جواب دُہرایا۔ وہ پھر چلا گیا لیکن کچھ دیر بعد دوبارہ لوٹ آیا اور اب کی بار کہنے لگا: آپ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یاد فرمارہے ہیں۔ یہ سُن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور ننگے پاؤں ہی رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دِیدار کے لیے دوڑ پڑے حتّٰی کہ شہر سے باہر ایک مقام پر پہنچے، جہاں نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک گھنے درخت کے سائے میں جلوہ فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت سعدُ الدِّین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہمارے بار بار بُلانے پر آپ نہیں آئے ؟آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی عاجزانہ لہجے میں عرض کی ": یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد فرمارہے ہیں اور آپ تو میری کمزور یادداشت سے اچھی طرح آگاہ ہیں ، میں آپ کی بارگاہ میں اپنے مرض سے شفا کا طلبگار ہوں۔"

حضرت سعدُالدِّین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی فریاد سُن کر دریائے رحمت جوش میں آیا ، نبیِّ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" اپنا منہ کھولو۔ " آپ رحمۃ اللہ علیہ نے منہ کھولا تو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لُعابِ دَہَن یعنی تُھوک مُبارک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے منہ میں ڈال دیا ، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دعا فرمائی اور کامیابی(Succes) کی خوشخبری عطا فرما کر گھر لوٹ جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ دوسرے دن جب آپ رحمۃ اللہ علیہ، قاضی عبدالرحمٰن شیرازی کے درس میں حاضر ہوئے تو دورانِ سبق آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اُستاد صاحب کے درس میں کچھ علمی سُوالات کئے ،درس میں شریک دیگر طلبہ ان سُوالات کی گہرائی تک نہ پہنچ سکے اور فضول و بے معنٰی سمجھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں کو نظر انداز کرنے لگے ، مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد قاضی صاحب جو میدانِ علم کے شاہ

سوار تھے ، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی باتیں سُن کر رو پڑے اور مخاطب کرکے ارشاد فرمایا : " اے سعدُ الدِّین !آج تم وہ نہیں ہو جو کل تھے ۔ " پھر حضرت سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام واقعہ اُستادصاحب کی بارگاہ میں بیان کر دیا۔(شذرات الذھب ، سنۃ احدی و تسعین وسبعمائۃ ،ج7ص48)

فقہی مذہب: بعض نے آپ کو حنفی المذہب اوربعض نے شافعی قرار دیا ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کو فقہ حنفی کی طرف بڑی رغبت تھی اوراس کو آپ نے یہاں تک پسند کیا کہ کثرت سے اس میں تصنیفات فرمائی اور نیز قضاء حنفیہ کے متولی ہوئے اور آپ کے زمانہ میں مذہب حنفیہ اور فنون علمیہ کی ریاست آپ پر منتہی ہوئی۔ (حدائق حنفیہ ص332)

اسی بات کی تصدیق دوسری کتاب سے بھی ملتی ہے :علامہ تفتازانی کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ حنفی تھے یا شافعی تھے"۔(نحو میر ص 13 مکتبۃ المدینہ)

اسفار: امام تفتازانی نے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ وہ جام، ہرات، سرخس، سمر قند، جبرون، ترکستان اورخوارزم میں مقیم رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تفتا زانی نے مظفریہ حکمران فارس شاہ شجاع کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی ۔(تاریخ بخاراص55)

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں عضد الدین ایجی،قطب الدین رازی اور قاضی عبدالرحمٰن شیرازی رحمھم اللہ کا تذکرہ ملتا ہے ۔

تلامذہ: یوں تو آپ کے کئی شاگرد تھے مگر تذکرہ فقط دوحضرات کا ملتا ہے :

1۔حسام الدین الحسن بن ابی وردی

2۔برہان الدین حیدر

قبولیت عامہ:جب امام تفتازانی کی کتب روم میں پہنچیں اوردرس میں داخل ہوئیں تو ان کے نسخے پیسے خرچ کرنے پر نہ ملتے تھے مجبورا علامہ شمس الدین کو جمعہ اور آپ شنبہ کی معمولی تعطیلوں کے علاوہ دوشنبہ کی تعطیل بھی مقرر کرنا پڑی پس طلبہ ہفتہ میں تین دن کتابیں لکھتے اور چار دن پڑھتے ۔(التوضیح المفصل ص10)

بدمذہبوں سے نفرت : علامہ محقق سعد الملۃ والدین تفتازانی مقاصد وشرح مقاصد میں فرماتے ہیں:حکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنہ والاھانۃ والطعن واللعن

بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض و عداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر بجالائیں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔ (شرح مقاصد، المبحث الثامن حکم المومن، ج2ص270)

امام تفتازانی کی شخصیت علماء کی نظر میں:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اتهمت اليه رياسة الحنفية فی زمانه یعنی آپ کے زمانے میں آپ پر ریاست حنفیہ کی انتہاء ہوئی تھی۔

علامہ کفوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: كان من محاسن الزمان لم تر العيون مثله فی الاعلام و الاعيان علامہ تفتازانی عجوبہ روزگار (منفرد شخصیت) تھے آپ کی نظیر بڑے بڑے علماء میں نہیں ملتی۔ (التوضیح المفصل ص11)

شعر و شاعری: شعر و شاعری میں آپ کا شغل نہ تھا تاہم اس ذوق سے بالکل کورے بھی نہ تھے بلکہ گاہے بگاہے اشعار کہتے تھے چنانچہ صاحب الشذرات الذهب نے آپ کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں:

اذا خاص فی بحر التفكر خاطری
علی درة من معضلات المطالب
حضرت ملوك الارض فی ماحورا
وذلت المعنی بالكتب لا بالكتاب

(شذرات الذہب ج3ص56)

تصانیف: امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ مروجہ علوم میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ ذیل میں کتابوں کی فہرست حاضر ہے:

شرح التصریف العیز: عز الدین عبد الوہاب بن ابراہیم زنجانی کی کتاب 'التصریف' کی شرح ہے۔ رسالۃ الارشاد، مطول۔ مختصر المعانی۔ شرح القسم الثالث فی المفتاح۔ شرح رسالہ شمسیہ۔ شرح شمسیہ۔ تہذیب المنطق والکلام: کتاب کا پورا نام "غایت تهذیب الكلام فی تحریر المنطق والکلام" ہے۔

ضابطۃ انتاج الاشکال۔ شرح المقاصد۔ شرح عقائد نسفی۔ التلویح إلی کشف حقائق التنقیح۔ شرح شرح المختصر فی الاصول یا شرح الشرح۔ المفتاح۔ اختصار شرح الجامع الکبیر۔ کشف الاسرار وعدة الابرار۔ شرح کشاف (بعض نے حاشیہ کشاف لکھا ہے)۔ شرح اربعین نووی۔ النعم السوابغ فی شرح الكلام النوابغ۔

ان کتابوں میں تین کتابیں مختصر المعانی اور المطول اور شرح عقائد نسفی آج بھی درس نظامی کے نصاب میں شامل ہیں۔

وصال: 770ھ میں بادشاہ شجاع الدین مظفر" قصرزرد" میں مقیم تھا۔ میر سید نے اس

تک رسائی کے لیے عجیب طریقہ نکالا۔فوجیوں کا لباس پہن کر راستہ میں کھڑے ہوگئے۔علامہ تفتازانی بادشاہ کے پاس جارہے تھے کہ راستے میں میر سید مل گئے اور کہنے لگے میں مسافر ہوں اور تیر اندازی میں مہارت رکھتا ہوں ، آپ بادشاہ سے سفارش کریں کہ مجھے ملاقات کا موقع دیا جائے۔علامہ کی سفارش پر بادشاہ نے انہیں طلب کیا اور کہا کہ تیر اندازی کا مظاہرہ کرو۔میر سید نے جیب سے کاغذات کا ایک مجموعہ نکال کر پیش کیا جس میں مختلف مصنفین پر اعتراضات تھے اور کہا کہ یہ میرے تیر ہیں اور یہ میرا فن ہے۔علامہ تفتازانی کے فضل وکمال کے سامنے اس جرأت کا مظاہرہ کرنا سید ہی کا کام تھا۔بادشاہ نے سید کا بڑا احترام کیا اور اپنے ساتھ"شیراز"لے جا کر مدرسہ دارالشفا کا مُدَرِّس بنادیا۔ سید سندرس10 سال تک وہاں درس وتدریس میں مصروف رہے۔

جب تیمور لنگ نے"شیراز"پر حملہ کیا اور فتح کے بعد لوٹ مار کا بازار گرم ہوا،تو ایک وزیر کی سفارش پر سید کو پناہ ملی۔تیمور انہیں اپنے ساتھ" وراء النہر"لے گیا۔میر سید ،"سمرقند"میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔اس زمانے میں علامہ تفتازانی تیمور کی مجالس کے صدرالصدور تھے تیمور کہا کرتے تھے کہ اگرچہ علم وفضل میں دونوں برابر ہیں لیکن سید کو نسبی اعتبار سے تفتازانی پر فضیلت حاصل ہے۔

تیمور لنگ کی سلطنت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ دنیا کا اکثر حصہ اس کے زیر نگیں تھا میر سید کو اس کے دربار میں تقرب حاصل تھا۔ایک دفعہ میر سید نے علامہ تفتازانی کے حواشی" کشاف"پر اعتراض کیا۔زیر بحث "کشاف"کی وہ عبارت تھی جس میں" اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ میں بیک وقت استعارہ تبعیہ اور تمثیلیہ قرار دیا گیا ہے۔تیمور کے سامنے مناظرہ ہوا،نعمان معتزلی کو جج مقرر کیا گیا جس نے سید کے حق میں فیصلہ دیا۔تیمور نے سید کے اعزاز میں اضافہ کردیا اور علامہ تفتازانی کے مرتبہ میں کمی کردی۔یہ791ھ کا واقعہ ہے۔علامہ تفتازانی علیہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسی غم میں محرم792ھ میں انتقال ہوگیا۔(نحو میر ص 12 مکتبۃ المدینہ)

اللہ کریم ہمیں ان کے علوم کا فیضان نصیب فرمائے۔آمین

ملوکیت رحمت۔ ایک دورِ عظمت

از:علامہ پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ صاحب

نبوت محمد یہ کے ذریعے کرہِ ارض پر دین حق کا غلبہ نیز اس کی تعلیمات پر مبنی استخلاف (یعنی دینی حکومت کا قیام) اللہ تعالیٰ کے ارادہ ازلیہ میں تھا جو کہ حسبِ ارادہ ووعدہ حقیقت بن کر سامنے آیا۔یہی وہ" آسمانی بادشاہت " تھی جس کی بشارت بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔

پیغمبر آخر الزماں سید مرسلاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے ارشاد پاک میں تیس سالہ دور خلافت راشدہ پھر ملوکیتِ رحمت اور اس کے بعد ملوکیتِ عاضہ کی نشاندہی فرمائی،جب کہ ملوکیتِ رحمت کی بشارت تورات میں بھی آئی تھی اور اس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت ہی سے تعبیر کیا گیا۔ جیسا کہ حدیث دارمی میں آیا ہے۔مولدہ بمکۃ و مہاجرہ بطیبۃ و ملکہ بالشام۔

خلافتِ راشدہ کے بعد قائم ہونے والی حکومتِ رحمت اگرچہ خلافت موعودہ کے کمال کی حامل نہ تھی مگر حسن سیاست ،فتوحات ، وسعت حدود سلطنت اور نظامِ رحمت میں دورِخلافت کی عکاس تھی ۔اس سلسلہ میں یہ حقیقت ایک غیر متعصب اور سلیم الصدر شخص سے پوشیدہ نہیں کہ اس دور رحمت کو خلافت راشدہ کا ہم پایہ سمجھناافراط ہے اور اسے ملوکیت عضوضہ میں شامل کرنا تفریط ہے، نیز زبانِ رسالت سے کی ہوئی نشاندہی اور حدبندی سے

خروج ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بعد کا کوئی دور تدبیر امر و حسن سیاست میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس تحریر میں ملوکیتِ رحمت کے احوال کا احاطہ اور ان پر تبصرہ مقصود نہیں، بلکہ موجودہ دورِ فساد میں اس دور کے ایک آدھ واقعہ سے روشنی حاصل کرنا اور رہنمائی لینا پیشِ نظر ہے۔ واضح رہے کہ ملوکیتِ رحمت کا یہ دور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ ہے جو صلح امام حسن رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتا ہے اور حضرت معاویہ کے وصال پر ختم ہو جاتا ہے۔ اگر خلافت راشدہ میں حضرت امیر معاویہ کے بیس سالہ دور گورنری کو شامل کیا جائے تو بطور گورنر اور حاکمِ ریاست چالیس سالہ دور مجموعی طور پر ایک باکمال دور بنتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف و اظہار ایک نامور شیعہ مورخ اور برطانوی پریوی کونسل کے ہندوستانی ممبر جسٹس سید امیر علی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب

A Short History of the Saracens

کے ایک جملہ میں کیا ہے اور اس زریں عہد کی تاریخ کو سمیٹا ہے، وہ لکھتے ہیں:

On the whole, Muavia' s, rule was very peaceful and prosperous at home and successful abroad.

یعنی مجموعی طور پر معاویہ کا دورِ حکومت اندرونی طور پر بہت پر سکون اور خوشحال تھا جب کہ بیرونی طور پر انتہائی کامیاب تھا۔

یہ ایک منصف مزاج ذی علم مورخ کا شاندار خراج عقیدت ہے۔ قدیم و جدید مورخین نے حضرت معاویہ کے شخصی اوصاف اور حسنِ سیاست اور اندازِ حکمرانی کے بارے زبردست تحسینی کلمات لکھے۔ مصر کا نامور محقق مورخ حسن ابراھیم حسن اپنی کتاب تاریخ الاسلام میں کہتا ہے:

"کان معاویة داهیة من دهاة العرب و من اوفرهم حظا فی السیاسة"۔

یعنی حضرت معاویہ عرب کے انتہائی زیرک اور سیاست میں حظ وافر رکھنے والے حکمران تھے۔"۔

قدیم مورخ ابن طقطقی اپنی کتاب:

" الفخری فی الآداب السلطانیة والدول الاسلامیة" میں لکھتا ہے "امامعاویة رضی الله عنه فکان عاقلا فی دنیاه لبیبا عالما ، حلیما ، ملکا قویا ، جید السیاسة ، حسن التدبیر لامور الدنیا ، عاقلا حکیما فصیحا بلیغا یحلم فی موضع الحلم و یشتد فی موضع الشدة الا ان الحلم کان اغلب علیه و کان کریما باذلا للمال محبا للریاسة شغوفا بها کان یفضل علی اشراف رعیته کثیرا فلا یزال اشراف قریش مثل عبدالله بن العباس و عبدالله بن الزبیر و جعفر و عبدالله بن عمر و عبدالرحمن ابن ابی بکر و ابان بن عثمان بن عفان و ناس من آل ابی طالب رضی الله عنهم یفدون علیه بدمشق فیکرم مثواهم و یحسن قراهم و یقضی حوائجهم"۔

یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی دنیا میں عاقل صاحب علم و دانش، بردبار، طاقتور حکمران، بہترین سیاستدان، دنیاوی امور کی اعلی تدبیر کرنے والے عاقل و حکیم اور فصیح و بلیغ تھے۔ مقام حلم میں بردبار اور مقام شدت میں سختی کرتے تھے البتہ ان پر صفت حلم کا غلبہ تھا۔ وہ بہت سخی، مال خرچ کرنے والے سرداری سے محبت و شغف رکھنے والے تھے۔ اپنی رعیت میں اہل شرف کو بہت فضیلت دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ قریش کے اشراف مثل عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر جعفر، عبداللہ بن جعفر طیار ، عبداللہ بن عمر عبدالرحمن بن ابی بکر ابان بن عثمان اور آل ابی طالب کے افراد بصورتِ وفود دمشق میں آپ کے پاس تشریف لاتے آپ ان کو عزت و اکرام سے جگہ دیتے بہترین مہمان نوازی کرتے اور ان کی حاجات پوری فرماتے"۔

پروفیسر نکلسن نے" تاریخ اہل عرب "میں حضرت معاویہ کے اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:

" معاویہ بہت زیرک سیاست دان تھے انسانی طبائع کی کامل معرفت نے انہیں اس قابل بنا دیا تھا کہ تمام مخالف قوتوں کے اہل الرائے حضرات کو

اپنی جانب کھینچ لیتے تھے انہیں صفات کے باعث عام مسلمان جتھے بالخصوص خوارج نے آپ کے سامنے سر اطاعت جھکا دیا آپ امت عربیہ کی ایسی سیاست کرتے تھے جو آپ کی حکمت اور حسنِ تدبیر پر دلالت کرتی ہے"۔

مجھے ان کلمات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی تحریک ہوئی جب میں نے تاریخ ابن کثیر کا مطالعہ کرتے ہوئے حسب ذیل واقعہ پڑھا۔

بصرہ میں معاشرتی جرائم اور فتنہ فساد کا بازار گرم ہو چکا تھا حضرت معاویہ نے وہاں کے گورنر حضرت عبد اللہ بن عامر کو سخت ایکشن لینے کا حکم دیا مگر وہ بہت نرم طبیعت اور کرم نواز تھے اس لئے کچھ کارروائی نہ کر سکے اس بناء پر عہدے سے ہٹا دیے گئے۔اس کے بعد

"حضرت معاویہ نے حضرت حارث بن عبد اللہ الازدی کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا مگر وہ بھی کامیاب نہ ہوئے چار ماہ کے بعد وہ بھی معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ حضرت معاویہ نے حضرت زیاد کو بصرہ کا گورنر بنایا۔ اور دیگر کئی صوبوں کی امارت بھی انہیں سونپی۔ زیاد نے بصرہ پہنچ کر ایک زبردست خطبہ دیا ۔اس خطبہ میں انہوں نے کہا، "لوگو! لگتا ہے تم نے اس ثواب کے متعلق نہیں سن رکھا جو اللہ تعالیٰ نے فرمانبرداروں کیلئے تیار کر رکھا اور اس عذاب کے بارے بھی نہیں سن رکھا جو نافرمانوں کیلئے تیار ہے۔ کیا تم ان لوگوں کی طرح ہو جن کی آنکھ دنیا کی طرف دیکھتی ہے اور شہوات نے جن کے کان نصیحت سننے سے بند کر رکھے ہیں ۔ اس لئے انہوں نے ابدی جہاں کے مقابلے میں فانی دنیا کا انتخاب کر رکھا ہے پھر تلوار بے نیام کر کے حکمِ حکومت کا ذکر کیا اور پھر اس کے نفاذ میں لگ گئے یہاں تک کہ لوگوں پر دہشت طاری ہو گئی اور وہ تمام ظاہری جرائم اور معاصی سے کنارہ کش ہو گئے۔"

سبحان اللہ. کیا انداز حکومت تھا!۔!

مدینۂ منورہ حاضری کے آداب

از: مفتی نازش مدنی مرادآبادی
(ٹھاکردوارہ، ضلع مرادآباد، یوپی، انڈیا)

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حضور نبی مکرّم شفیع معظّم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے روضۂ مبارک کی زیارت بہت بڑی سعادت، عظیم عبادت، باعثِ شفاعت اور قُربِ الٰہی پانے کا عظیم ذریعہ ہے۔ جیسا کہ آقا کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے فرمودات وارشادات اس پر شاہدوناطق ہیں۔

(1)جو میری قبر کی زیارت کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔(دار قطنی، ج2، ص351، حدیث:2669)

(2)جو میری زیارت کو آئے سوا میری زیارت کے اور کسی حاجت کے لئے نہ آیا تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اُس کا شفیع بنوں۔(معجم کبیر، ج12، ص225، حدیث:13149)

(3)جس نے میری وفات کے بعد حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔(شعب الایمان، ج3، ص489، حدیث:4154)

یہ بات بالکل واضح وعیاں ہے کہ جو شے جس قدر اہمیت کی حامل ہوتی ہے اس کے آداب بھی اسی قدر ضروری اور اہم ہوتے ہیں۔ اپنے محبوب(صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم)کی بارگاہ میں حاضری کے آداب خود رب کائنات عزوجل نے سکھائے ہیں چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ(۲) (سورۃ الحجرات:2)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت (ضائع) نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

تفسیر قرطبی میں اس آیت کی تفسیر میں مسطور ہے: اللہ تعالٰی نے ایمان والوں کو اپنے حبیب صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے دو عظیم آداب سکھائے ہیں۔ پہلا ادب یہ ہے کہ اے ایمان والو! جب نبیٔ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم تم سے کلام فرمائیں اور تم ان کی بارگاہ میں کچھ عرض کرو تو تم پر لازم ہے کہ تمہاری آواز ان کی آواز سے بلند نہ ہو بلکہ جو عرض کرنا ہے وہ آہستہ اور پَست آواز سے کرو۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ حضورِ اَقدس صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو ندا کرنے میں ادب کا پورا لحاظ رکھو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو اس طرح نہ پکارو۔ بلکہ تمہیں جو عرض کرنا ہو وہ ادب و تعظیم اور توصیف و تکریم کے کلمات اور عظمت والے اَلقاب کے ساتھ عرض کرو جیسے یوں کہو: یا رسولَ اللہ! صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم، یا نَبِیَّ اللہ! صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم، کیونکہ ترکِ ادب سے نیکیوں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کی تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ (قرطبی، الحجرات، تحت الآیۃ: 2، 8 / 220، الجزء السادس عشر)

آیہ مذکورہ میں موجود حکم صرف زمانہ رسالت مآب صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ آج بھی یہ حکم باقی ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: اب بھی حاجیوں کو حکم ہے کہ جب روضۂ پاک پر حاضری نصیب ہو تو سلام بہت آہستہ کریں اور کچھ دور کھڑے ہوں۔ بلکہ بعض فقہا نے تو حکم دیا ہے کہ جب حدیثِ پاک کا درس ہو رہا ہو تو وہاں دوسرے لوگ بلند آواز سے نہ بولیں کہ اگرچہ

بولنے والا (یعنی حدیثِ پاک کا درس دینے والا) اور ہے مگر کلام تو رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا ہے ۔(شانِ حبیب الرحمٰن، ص225)

صحابہ کرام کا آداب بارگاہِ رسالت:

(1)حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں: جب یہ آیت "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ"

نازل ہوئی تو میں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اللہ تعالیٰ کی قسم! آئندہ میں آپ سے سرگوشی کے انداز میں بات کیا کروں گا۔(کنزالعمال، کتاب الاذکار، قسم الافعال، فصل فی التفسیر، سورۃ الحجرات، 1 / 214، الجزء الثانی، الحدیث:4604)

(2)حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں: یہ آیت نازل ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق کا حال یہ تھا کہ آپ رسولِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بارگاہ میں بہت آہستہ آواز سے بات کرتے حتّٰی کہ بعض اوقات حضورِ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو بات سمجھنے کے لئے دوبارہ پوچھنا پڑتا کہ کیا کہتے ہو۔(ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الحجرات، 5 / 177، الحدیث:3277)

(3)حضرت انس رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے کہنے لگے: میں اہلِ نار سے ہوں ۔جب یہ کچھ عرصہ بارگاہِ رسالت میں حاضر نہ ہوئے تو حضورِ اَقدس صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے حضرت سعد بن معاذ سے اُن کا حال دریافت فرمایا:

انہوں نے عرض کی: وہ میرے پڑوسی ہیں اور میری معلومات کے مطابق انہیں کوئی بیماری بھی نہیں ہے۔ حضرت سعد نے حضرت ثابت سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں اور جب ایسا ہے تو میں جہنمی ہو گیا۔ حضرت سعد نے یہ صورتِ حال حضور پُرنور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: "وہ جہنمی نہیں بلکہ وہ جنت والوں میں سے ہیں ۔(مسلم، کتاب الایمان، باب

مخافۃ المؤمن ان یحبط عملہ، ص73، الحدیث: 187(119)

(4) حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں: میں رسولِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے منبر کے پاس تھا، ایک شخص نے کہا: اسلام لانے کے بعد اگر میں صرف حاجیوں کو پانی پلانے کے علاوہ اور کوئی کام نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ دوسرے شخص نے کہا: اسلام لانے کے بعد اگر میں مسجدِ حرام کو آباد کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تیسرے شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا تمہاری کہی ہوئی باتوں سے افضل ہے۔ حضرت عمر فاروق نے انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا: "رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے منبر کے پاس اپنی آواز بلند نہ کرو۔ (مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الشّہادۃ فی سبیل اللہ تعالی، ص1044، الحدیث: 111(1879)

(5) ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق نے مسجدِ نبوی میں دو شخصوں کی بلند آواز سنی تو آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "کیا تم دونوں جانتے ہو کہ کہاں کھڑے ہو؟ پھر ارشاد فرمایا: تم کس علاقے سے تعلق رکھتے ہو؟ دونوں نے عرض کی: ہم طائف کے رہنے والے ہیں: ارشاد فرمایا: اگر تم مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوتے تو میں یہاں آواز بلند کرنے کی وجہ سے تمہیں ضرور سزا دیتا کیونکہ مدینہ منورہ میں رہنے والے دربارِ رسالت صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے آداب سے خوب واقف ہیں۔ (ابن کثیر، الحجرات، تحت الآیۃ: 2، 7/343)

بزرگانِ دین کا آدابِ بارگاہِ مصطفیٰ:

(1) ابو جعفر منصور بادشاہ مسجدِ نبوی میں حضرت امام مالک صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے ایک مسئلے کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا اس دوران اس کی آواز کچھ بلند ہوئی تو امام مالک رحمۃُ اللہِ علیہ نے اس سے فرمایا: اے مسلمانوں کے امیر! اس مسجد میں آواز بلند نہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کو ادب سکھایا اور فرمایا:

" لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ " (حجرات: 2) ترجمہ: اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو۔

اور ایک جماعت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: " اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ

اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳﴾ "(حجرات:3)
ترجمہ: بیشک جولوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیز گاری کے لیے پرکھ لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

اور ایک جماعت کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:" اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾ "(حجرات:4) ترجمہ: بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

بے شک وصال کے بعد بھی حضورِ اَقدس صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی عزت ایسی ہے جیسی آپ کی ظاہری حیات میں تھی۔ یہ سن کر ابو جعفر نے عاجزی کا اظہار کیا اور کہا: اے ابو عبد اللہ! میں قبلہ رُو ہو کر دعا کروں یا، رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی طرف رخ کروں؟ امام مالک نے فرمایا: تُو حضورِ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے کیوں رُخ پھیرتا ہے حالانکہ حضورِ انور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیرے اور تیرے جدِاَمجد حضرت آدم کے وسیلہ ہیں، تُو حضورِ پُرنور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی طرف رُخ کر اور شفاعت کی درخواست کر، اللہ تعالیٰ تیرے لئے شفاعت قبول فرمائے گا۔(الشفا، القسم الثانی، الباب الاول، فصل واعلم ان حرمۃ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ص41، الجزء الثانی)

(2)امام مالک رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ مسجدِ نبوی میں درس دیا کرتے تھے ،جب ان کے حلقۂ درس میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو ان سے عرض کی گئی: آپ ایک آدمی مقرر کر لیں جو آپ سے حدیث پاک سن کر لوگوں کو سنا دے۔ امام مالک رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:"یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ "(حجرات:2) ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو۔

اور رسولِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی عزت و حرمت زندگی اور وفات دونوں میں برابر ہے اس لیے میں یہاں کسی شخص کو آواز بلند کرنے کے لئے ہرگز مقرر نہیں کر سکتا)۔(الشفا، القسم الثانی، الباب

الاول، فصل واعلم ان حرمۃ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ص43، الجزء الثانی)

(3)حضرت سلیمان بن حرب رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں :ایک دن حضرت حماد بن زید رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے حدیث پاک بیان کی تو ایک شخص کسی چیز کے بارے میں کلام کرنے لگ گیا،اس پر حضرت حماد رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ غضبناک ہوئے اور کہا:اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ(حجرات:2) ترجمہ: اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو۔

اور میں کہہ رہاہوں کہ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا جبکہ تم کلام کر رہے ہو یعنی آواز اگرچہ میری ہے لیکن کلام تو حضورِ اَقدس صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا ہے،پھر تم اس کلام کو سنتے ہوئے کیوں گفتگو کر رہے ہو۔(شعب الایمان، الخامس عشر من شعب الایمان...الخ، 2/206، روایت نمبر:1546)

(4)عارف باللہ عاشق رسول علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہ جب مدینہ منورہ کو جاتے تو مواجہہ شریف پر حاضری دیے بغیر مسجد نبوی کے دروازے پر بارگاہ رسالت صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم میں سلام پیش کر کے واپس آجاتے۔ کسی نے پوچھ لیا کہ سیدی! آپ اتنی دور سے سفر کی صعوبتیں اور مشکلیں برداشت کر کے اس دیار میں آتے ہیں۔ مگر مواجہہ اقدس پر حاضری نہیں دیتے، کیا وجہ ہے؟ آپ علیہ الرحمۃ و الرضوان نے بڑے ہی کمال کا جواب دیا فرمایا دراصل بات یہ ہے کہ کتے کا کام گھر کے باہر ہوتا ہے گھر کے اندر نہیں، اور میں سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در کا کتّا ہوں یہی وجہ ہے کہ میں اندر نہیں جاتا باہر ہی سے سلام پیش کر کے واپس ہو جاتا ہوں۔(بروایت مداح رسول اویس رضا قادری، کراچی، پاکستان)

(5) امیر ملت علامہ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃُ اللہِ علیہ اپنے احباب میں مدینۃ الرسول کی کسی گلی میں کھڑے تھے کہ سامنے سے ایک زخمی کتا چیختا ہو گزرا۔ اس کتے کو کسی نے پتھر مارا تھا۔ حضرت پیر صاحب اس منظر کو دیکھ کر بے خود ہو گئے ۔ اس بے خودی میں سگ طیبہ کا کلادے میں لے لیا۔ اپنی دستار سے اس کا خون صاف کیا پھر ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا اے سگ طیبہ خدارا بارگاہِ رسالت میں میری شکایت نہ کر دینا

پھر دیر تک سگ طیبہ کو کلادے میں لے کر روتے رہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:1954 میں جب میں حج کے لیے گیا تھا اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مستفیض ہوا تو ایک مدنی ڈاکٹر سے میری ملاقات ہوئی تو ڈاکٹر نے مجھے ایک قصہ سنایا کہ پنجاب کے ایک مشہور عاشق رسول بزرگ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب ایک مرتبہ مدینہ منورہ کو آئے۔ تو ان کے کسی مرید نے اتفاق سے مدینہ شریف کے ایک کتے کو ڈھیلا مار دیا جس کی چوٹ سے کتا چیخا۔

حضرت شاہ صاحب سے کسی نے کہا کہ آپ کے فلاں مرید نے مدینہ کے کتے کو مارا ہے۔ حضرت شاہ صاحب یہ سن کر بے چین ہو گئے، اور اپنے مریدین کو حکم دیا کے فوراً اس کتے کو تلاش کر کے گود میں اٹھا کر یہاں لائیں۔ چنانچہ کتا لایا گیا، شاہ صاحب اٹھے اور رو کر اس کتے سے کہنے لگے اے دیار حبیب کے رہنے والے! اللہ کے لیے میرے اس مرید کے لغزش کو معاف کر دے پھر بھنا ہوا گوشت اور دودھ منگوایا اور اس کو کھلایا اور پلایا پھر اس سے کہا جماعت علی شاہ تجھ سے معافی چاہتا ہے خدارا مجھے معاف کر دینا۔(انوار قطب مدینہ ص:32)

(6)امام اہلسنّت پروانہ شمع رسالت باعث خیر وبرکت اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی شخصیت تو سراپا ادب تھی۔ بارگاہِ رسالت مآب صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے آداب کا اندازہ آپ کے ان چند اشعار سے کیجیے:

ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

اس شعر میں زائر مدینہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں او! مدینے کے زائر جس مقدس دیار میں تو جا رہا ہے وہ بڑے ادب کا مقام ہے کہ جہاں پاؤں نہیں سر کے بل چلا جاتا ہے۔ دوسرے جگہ اسی کیفیت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

صحابہ کرام اور بزرگان دین کے ان چند واقعات اور ارشادات سے بارگاہِ مصطفیٰ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم میں حاضری کے آداب بخوبی عیاں ہوتے ہیں۔ کہ کس طرح یہ بزرگان دین شہر رسول اور بارگاہِ

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آداب کا خیال فرماتے تھے اور ہمیشہ اس حوالے سے فکر مند اور لرزاں وترساں رہتے تھے کہ کہیں عدم توجہی کی وجہ سے اس مقدس بارگاہ کی بے ادبی اور گستاخی نہ ہو جائے۔ مگر انتہائی افسوس ہوتا ہے آج کے کچھ بے باک اور نڈر لوگوں کی حرکتوں اور جرأتوں کو دیکھ کر کہ ان بے ادبوں کو قطعاً بھی اس بارگاہ کا ادب ملحوظ نہیں ہے کوئی بلند آواز سے قہقہہ لگا کر مسجد نبوی میں ہنس رہاہے تو کوئی گنبد خضرٰی کی جانب پیٹھ کرکے سیلفی لینے میں لگا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو مضمون کی ابتدا میں پیش کردہ آیہ کریمہ سے درسِ عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ کہیں اِنہیں بے باکیوں اور بے ادبیوں کی وجہ سے ان کے اعمال اکارت اور برباد نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آدابِ مدینہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حاضری مدینہ کے چند آداب:

۱۔ روضۂ اقدس پر جانے سے پہلے غسل کریں، عمدہ لباس زیب تن کریں اور عمدہ خوشبو لگائیں۔

۲۔ روضۂ مبارک پر حاضری سے پہلے غریبوں مسکینوں کو کچھ ناکچھ صدقہ ضرور دیں۔

۳۔ جاتے وقت انتہائی عاجزی وفروتنی کے ساتھ گردن جھکائے حکم قرانی وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا(۶۴) یعنی: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شِفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔) کو ذہن ودماغ میں مستحضر رکھیں اور خود کو انتہائی گنہ گار تصور کریں اور یہ یقین رکھیں کہ ضرور بارگاہِ مصطفی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے مجھے مغفرت وشفاعت کی خیرات ملے گی۔

4۔ جب مسجد نبوی میں داخل ہو جائیں، تو سب سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کریں پھر دعا اور استغفار کریں۔ اس کے بعد انتہائی ادب واحترام کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم میں سلام پیش کرنے کے لیے روضہ اطہر کی طرف بڑھیں۔ اور اس وقت ذہن میں جو درود وسلام مستحضر ہو اور جس کا معنٰی بھی معلوم ہو اسی سلام کو پڑھیں۔ پھر اس کے بعد ایک بار اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ

يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ پڑھیں، پھر ستّر بار اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ الله کہیں۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کریں:

يَا رَسُوْلَ اللهِ أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِكَ إِلَى اللهِ فِيْ أَنْ أَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے یہ مانگتا ہوں کہ میری موت آپ کے دین اور آپ کی سنّت پر ہو۔

5۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ کے ذریعہ ان لوگوں کا سلام پہنچائیں جنہوں نے آپ سے سلام پہنچانے کی درخواست کی تھی۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مِنْ جَمِيْعِ مَنْ أَوْصَانِيْ بِالسَّلَامِ عَلَيْكَ

اے اللہ کے رسول ! آپ پر سلام ہو ان تمام لوگوں کی طرف سے جنہوں نے مجھ سے آپ کو سلام پہنچانے کی درخواست کی تھی۔

6۔ جتنا زیادہ ممکن ہوسکے درود وسلام کی کثرت کریں، کم از کم اتنا ضرور کرلیں کہ ہر دن ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی کوشش کریں۔

۷۔ مسجد نبوی میں کسی قسم کی بات چیت نہ کریں۔

۸۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران بار بار جنّت البقیع کی زیارت کرنے کی کوشش کریں۔

۹۔ وہاں کی پریشانیوں اور تکلیفوں پر صبر وہمت سے کام لیں کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم نے فرمایا :"جو شخص مدینۂ منورہ کی سختیوں اور مصیبتوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا، قیامت کے روز میں اس شخص کے حق میں گواہی دوں گا یا اس کی شفاعت کروں گا۔"

10۔ مدینۂ منورہ کے رہنے والوں کا ادب و احترام بھی آپ صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی نسبت و تعلق کی وجہ سے لازم کریں۔

محفوظ صدا رکھنا شہ بے ادبوں سے
مجھ سے بھی سرزد نہ کبھی بے ادبی ہو

کدو شریف کے طبی فوائد

ڈاکٹر حسنین علی بھٹہ
(M.B.B.S & R.M.P)

سبزیوں میں نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو کدو شریف کھانا محبوب تھا۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا": علیکم بالقرع فإنہ یزید في الدماغ۔ ترجمہ :لوکی بھی کھایا کرو کیونکہ یہ دماغ کی طاقت بڑھاتا ہے۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب فی القرع والعدس، الحدیث 8034: ،ج5، ص 44۔ ورواہ الطبرانی مرفوعا)

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ حضور سرورعالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: یا عائشۃ إذا طبختم قدرا فأکثروا فیھا من الدباء، فإنھا تشد قلب الحزین ترجمہ :اے عائشہ ! جب تم ہانڈی پکاؤ تو اس میں کدو ڈال دیا کرو کیوں کہ کدو غمگین دل کے لیے تقویت کا باعث ہے ۔(الآداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ، فصل في خواص القرع وھو الدباء وما ورد فیہ، ج 3 ، ص 45)

آیئے جدید سائنس کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ حضور مخبر صادق صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے یہ فرامین کس قدر اہمیت کے حامل ہیں۔ کدو جسے لوکی بھی کہا جاتا ہے اور انگلش میں اسے Pumpkin کہا جاتا ہے، اس میں ایک امینو ایسڈ ٹریپٹوفین (Tryptophan) وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا امینوایسڈ ہے جو کہ سیروٹونن (Serotonin) ایک ایسا نیورو ٹرانسمٹر جس کی کمی کی وجہ سے انسان ذہنی دباؤ یعنی ڈپریشن (Depression) کا شکار ہو جاتا ہے) اور میلاٹونن (ایسا نیورو ٹرانسمٹر جو انسان

کی نیند والے عمل میں اہم کردارادا کرتا ہے کدو شریف میں اس امینو ایسڈ کی وافرمقدار ہونے کی وجہ سے انسان ذہنی دباؤ یعنی ڈپریشن ((Depression)، پریشانی (Anxiety) اور نیند نہ آنے (Insomnia) جیسی بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔

کدو میں بیٹا کیروٹین (Beta carotene) کی کافی مقدار موجود ہوتی ہے جو کہ ہمارے جسم میں جا کر وٹامن اے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ وٹامن ہماری بینائی ، دفاعی نظام(Immune system)، جلد اور ہڈیوں کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔اس کی کمی کی وجہ سے انسان رات کو کم نظر آنے (Night blindness)جیسے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لیکن کدو شریف جو کہ بیٹا کیروٹین سے بھرپور ہوتا ہے لہٰذا اسکا استعمال کرنے سے انسان اس مرض سے بچا رہتا ہے۔

ہمارے جسم میں جاری رہنے والا میٹا بولک سسٹم جو کہ ایک ایسا کیمیائی عمل ہے جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے،اس کے نتیجہ میں فری ریڈیکلز جن کی زیادتی جسم میں موجود چربی یعنی Lipids ، پروٹین اور ڈی این اے DNAجو کہ مادہ حیات ہے پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے اورانسان کو کئی طرح کی مہلک بیماریوں جیسا کہ کینسر میں مبتلا کر دیتی ہے، کدو میں موجود اینٹی آکسیڈینٹ(Anti oxidents)مثلا ایلفا کیروٹین(Alpha carotene)،بیٹا کیروٹین (Beta carotene)،(بیٹا کیروٹین انسان کو مثانہ کے اوپر موجود غدود جسے پروسٹیٹ گلینڈ(Prostate gland)کے کینسر اور بڑی آنت کے کینسر سے بچاتا ہے) اور بیٹا کریپٹوز نتھین(Beta cryptoxanthin)ان فری ریڈیکلز کے برے اثرات کو ختم کرتے ہیں اورانسان کو مہلک قسم کی بیماریوں سے بچاتے ہیں۔

وٹامن اے کے ساتھ ساتھ کدو شریف میں وٹامن ای اور وٹامن سی بھی کافی مقدار میں موجود ہوتے ہیں ،اس کے علاوہ آئرن اور فولیٹ بھی، یہ تمام وٹامنز اور منرلز انسان کے دفاعی نظام کے لیے بہت اہم ہیں جیسا کہ

وٹامن سی جو کہ جسم میں موجود برے کولیسٹرول LDL کی مقدار کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے، جس کی وجہ سے انسان بلڈپریشر اوردل کے امراض سے بچارہتا ہے اور جسم میں موجود آئرن کو نظام انہضام میں جذب کرنے میں مدد دیتا ہے، جس کی وجہ سے انسان خون کی کمی میں مبتلا نہیں ہوتا۔اور وٹامن ای جو کہ انسان کو سکن کینسر سے بچاتا ہے، اسکے علاوہ زخموں کو جلد مندمل کرنے میں کافی اہم کردار ادا کرتا ہے، بڑھاپا جلد آنے سے بچاتا ہے۔

کدو شریف کا استعمال انسان کو بلڈ پریشر زیادہ ہونے سے بچاتا ہے جس کی ایک وجہ تو پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ اس میں موجود وٹامن سی جسم میں موجود برے کولیسٹرول یعنی (Low density lipoproteins)کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے جس کی وجہ سے انسان دل کے عوارض سے بچ سکتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں پوٹاشیم کی کافی زیادہ مقدار پائی جاتی ہے۔جو لوگ پوٹاشیم کا استعمال زیادہ کرتے ہیں وہ ہائی بلڈ پریشر جیسے مرض سے بچے رہتے ہیں ۔ (یاد رہے کہ جو لوگ گردوں کے امراض میں مبتلا ہوں جیسا کہ گردے فیل ہو جانا (Renal failure)،یا کرونک کڈنی ڈیزیز(Chronic kidney disease)،ان کو پوٹاشیم کی زیادہ مقدار نہیں لینی چاہیے کیوں کہ پوٹاشیم کی زیادہ مقدار ایسے لوگوں میں دل کی دھڑکن میں بے ضابطگیوں (Arhythmias)کا باعث بنتی ہے۔

کدو چونکہ اساسی (Alkaline) ہوتا ہے، اس کے پانی کا استعمال چھوٹے پیشاب میں تیزابیت کو کم کرتا ہے اور پیشاب آور ٹانک کے طور پر کام کرتا ہے۔ کدو میں کیلوریز کم ہوتی ہیں اور فائبرز کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ قبض کشا بھی ہے،اس لیے یہ موٹاپا کم کرتا ہے اوروزن کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

کدو کا گودہ اور بیج جسم میں موجود گلوکوز کو انتڑیوں میں جذب کرنے کے لیے انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں،اس کے علاوہ جگر میں گلوکوز کو اپنے لیول میں رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے جدید ریسرچ کے مطابق کدو کو ذیابیطس کے علاج میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مسافرانِ آخرت

مفتی ابوالظفر سید القادری داغ مفارقت دے گئے

از: سید صابر حسین شاہ بخاری قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ النبی الامین

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ

اجمعین

دنیائے اہل سنت میں یہ خبر وحشت اثر انتہائی دکھ اور کرب سے سنی گئی کہ مملکت خداداد پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخواہ سے اہل سنت وجماعت کے ایک ممتاز، نڈر، بے باک اور انتہائی متحرک عالم دین شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ مفتی ابوالظفر پیر سید القادری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہم غربائے اہل سنت کو داغ مفارقت دے کر مسافرانِ آخرت سے جا ملے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یوں تو ہمارے مدارس سے ہر سال بے شمار علمائے کرام سند فراغت لے کر نکلتے ہیں لیکن ان میں سے ایسی تعداد بہت کم ہوتی ہے جو عالم با عمل بن کر اپنی ساری زندگی اسلام و سنیت کی ترویج و اشاعت میں گزار دیتے ہیں۔ والدین کی ہمیشہ یہ خواہش و آرزو ہوتی ہے کہ ان کا لڑکا ایک عالم دین بن کر اپنی زندگی اسلام و سنیت کے لئے وقف کر دے۔ ان کی یہ خواہش و آرزو اس وقت خاک میں مل جاتی ہے جب ان کا لڑکا ایک عالم دین بن کر درس و تدریس اور محراب و منبر کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دے، اپنی کتابوں کو ہمیشہ کے لئے بند کر کے رکھ دے اور محض دنیا کمانے کے لئے کسی دوسرے شعبے کو اختیار کر لے۔ یا محض پیشہ ور مقرر بن جائے۔

اگر کسی گھرانے میں کوئی عالم با عمل بن کر سامنے آئے تو اس گھرانے کی آنے والی نسلیں بھی اس کی علمیت پر تا قیامت ناز کرتی رہیں گی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

یقین جانیں کہ اگر ہمارے مدارس سے ہر سال سند فراغت حاصل کرنے والے سارے عالم با عمل بن کر نکلیں تو ہمارے معاشرے میں ایک عظیم انقلاب آسکتا ہے۔ ہمارے محراب و منبر کی رونقیں دوبالا ہو سکتی ہیں۔ ذوق مطالعہ اور قلم و قرطاس کے شغف میں بھی تیزی آسکتی ہے اور ہمارے گھرانے سدھر سکتے ہیں۔ واحسرتا!

ہزاروں سال نرگس
اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے
چمن میں دیدہ ور پیدا

جب بھی دنیا سے کسی بھی سنی عالم با عمل کی وفات حسرت آیات کی خبر وحشت اثر کانوں سے ٹکراتی ہے تو عجیب و غریب کیفیت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ موت العالم موت العالم ہے۔ ایک عالم دین کی موت ایک جہان کی موت کے مترادف ہے۔ ایک عالم دین کے جانے سے گویا علم اٹھ جاتا ہے اور معاشرہ علمی و روحانی سرپرستی سے محروم ہو جاتا ہے۔

مملکت خداداد پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخواہ کے ضلع سوات کے خطہ لوئر دیر اسبنڑ کے گاؤں خواص میں پٹھانوں کے قبیلہ شکی خیل کے ایک فرد فرید پیر سید حکیم قادری رحمۃُ اللہِ علیہ (م:1428ھ/2007ء) کے ہاں 1375ھ/1956ء میں ایک بچے نے آنکھ کھولی جس کا نام "پیر سید " تجویز ہوا جسے بعد میں علمی و فکری دنیا میں "علامہ مولانا مفتی ابو الظفر پیر سید القادری" کے نام جانا پہچانا گیا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر میں حاصل کی۔

بعد ازاں آپ ام المدارس جامعہ قادریہ مردان میں داخل ہوئے، یہاں آپ نے امام المدرسین علامہ مفتی ابو الفضل فضل سبحان القادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ، شیخ المشائخ علامہ پیر محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ (م: 1437ھ/2016ء) اور دیگر نامور اساتذہ کرام

سے اکتساب فیض کیا ۔ آپ نے یہاں سے 1406ھ/1986ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کی آپ نے علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد ام المدارس جامعہ قادریہ مردان میں ہی درس و تدریس شروع کر دی۔ کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ پیر بابا بونیر سوات میں تدریسی خدمات سر انجام دیں۔

1410ھ/1990ء میں آپ نے اپنے علاقہ طارق آباد تندو ڈاگ سوات میں جامعہ قادریہ غفوریہ کا قیام عمل میں لایا اور دم آخریں تک یہاں مہتمم رہے اور تدریسی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ آپ ایک انتہائی کہنہ مشق اور محنتی مدرس مشہور ہوئے ۔ دور و نزدیک سے علوم اسلامیہ کے پیاسے آپ کے ادارہ کا رخ کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھا کر واپس لوٹتے تھے۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہے جو ملک کے مختلف علاقوں میں درس و تدریس میں مصروف ہیں۔

آپ کے مشاہیر تلامذہ میں مولانا مفتی نور محمد نورانی، مولانا نادر سید، مولانا عبداللہ، مولانا احمد حسین بابا، مولانا مفتی عبدالسلام، مولانا مفتی سید محب باچا اور مولانا ابو الفتح جاوید اقبال رضوی کے اسمائے گرامی نہایت ہی روشن اور نمایاں ہیں۔

1402ھ/1982ء میں آپ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا اور مولانا حکیم باچا المعروف بہ روغانی استاد کی دختر نیک اختر سے آپ کا عقد مسنون ہوا۔

1417ھ/1996ء میں آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا تو مولانا عبدالرزاق المعروف بہ باغچہ استاد رحمۃ اللہ علیہ (م:1445ھ/2024ء) کی دختر نیک اختر سے آپ کا عقد مسنون ہوا۔ آپ کی پہلی زوجہ محترمہ کے بطن سے چھے دختران اور ایک صاحب زادہ والا شان علامہ سراج الدین قادری زید مجدہ ہیں جو آپ کے جانشین ہیں۔

آپ کی دوسری زوجہ محترمہ کے بطن سے تین دختران اور تین صاحب زادگان ہیں۔

(1) صدیق رضا: درس نظامی کے آخری سال میں زیر تعلیم ہے۔

(2) شاہ احمد رضا: درجہ ثالثہ میں زیر تعلیم ہے۔

(3) اویس رضا: ابھی قرآن کریم حفظ کر رہا ہے ۔

ماشاءاللہ، ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔

1429ھ /2008ء میں آپ نے حرمین شریفین کا پہلا سفر کیا، اس میں آپ نے حج بیت اللہ اور مدینۃ المنورۃ میں حاضری روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

آپ چار بار عمرہ کی سعادت اور حاضری روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

آخری بار آپ 26/ربیع الآخر 1441ھ /25/دسمبر 2019ء کو اپنے شاگرد رشید مولانا ابو الفتح جاوید اقبال رضوی زید مجدہ کے ہمراہ عمرہ کی سعادت کے لئے حرمین شریفین گئے اور 25/جمادی الاولی 1441ھ /21/جنوری 2020ء کو واپس آئے۔ حرمین شریفین کے قیام کے دوران آپ کی روحانی ووجدانی کیفیات دیدنی ہوتی تھیں۔

آپ کا ذوق مطالعہ اور وسعت مطالعہ قابلِ رشک تھا۔ آپ جب بھی کسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک ہوتے تو پھر دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ رات کا کھانا لگا دیا جاتا تو آپ کو پتا بھی نہ چلتا اور مطالعہ میں آپ کی محویت کا یہ عالم ہوتا کہ نمازِ فجر کی اذانیں ہو جاتی تھیں۔

اللہ اللہ! ایسا ذوق مطالعہ چشم فلک نے کم کم دیکھا ہو گا۔

آپ کی ساری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل میں بسر ہوئی۔

آپ اسلام کے ایک ایسے عظیم مجاہد تھے کہ ہمہ وقت مختلف فتنوں کے تعاقب میں تیار رہتے تھے۔

اس پر مخالفین اہل سنت کے ساتھ ہونے والے آپ کے کامیاب مناظرے شاہد وناطق ہیں۔

شموزو سوات میں تقلید کے موضوع پر اہل حدیث کے عالم شیخ افضل کے ساتھ آپ نے کامیاب مناظرہ کرکے اسے شکست سے دوچار کیا۔

شانگلہ تحصیل الپوری میں سرکاری سطح پر حیلہ اسقاط کے حوالے سے مخالفین کے ساتھ مناظرہ ہونا قرار پایا لیکن موقع پر کوئی سامنے ہی نہ آیا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے باضابطہ اعلان ہوا کہ الپوری میں حیلہ اسقاط کیا جائے گا اور اب اس کی مخالفت کرنے والے کو دہشت گرد تصور کیا جائے گا۔

گٹ پیو چار چارسدہ اور پڑانگ غار میں آپ مخالفین کے ساتھ طے شدہ مناظرے کے لئے گئے لیکن فریق مخالف کیمپ میں سے کوئی سامنے نہ آیا۔

1984ء میں مولوی حمد اللہ جان دیو بندی ڈاگئی نے اہل سنت کو وسیلہ اور استغاثہ کے موضوع پر مناظرے کا چیلنج کیا۔ آپ نے یہ چیلنج نہ صرف قبول کیا بلکہ آپ اس کے گاؤں پہنچ گئے مگر مولوی حمد اللہ جان ڈاگئی کو آپ کے سامنے آنے کی جرآت نہ ہو سکی۔

اسی طرح 28/ فروری 1999ء میں دیر مانڑئی کارو درہ کے مقام پر مولوی رحیم اللہ دیو بندی اور مولوی یوسف پنج پیری کے ساتھ آپ نے حیلہ اسقاط کے موضوع پر انتہائی کامیاب مناظرہ کیا اور ان دونوں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

اہل سنت کو جہاں کہیں بھی آپ کی ضرورت پڑی تو وہاں آپ دلیری کے ساتھ حاضر ہوئے ۔آپ کی علمی استعداد، شجاعت اور بہادری کا سارا سوات معترف ہے۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے
کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے
کہ یہ وار وار سے پار ہے۔

آپ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں شیخ طریقت علامہ الحاج پیر محمد امین قادری رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (م:1377ھ /1958ء) کے مرید و خلیفہ سلطان المشائخ پیر سید شیرین المعروف بہ کراچی بابا جی رحمۃ اللہ علیہ (م:1439ھ/2018ء) کے مرید و خلیفہ تھے۔

یوں تو آپ کو چاروں سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت حاصل تھی لیکن آپ نے سلسلۂ قادریہ ہی کو جاری رکھا اور اسے فروغ دیا۔ آپ فیض قادریت پر ہمیشہ نازاں رہتے تھے۔

قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا
قدر عبدالقادر قدرت نما کے واسطے

آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا لیکن آپ نے پیر بن کر آرام سے ایک دن بھی بیٹھنا گوارانہ کیا بلکہ آپ اپنے آپ کو ہمیشہ اسلام کو ایک ادنیٰ خادم تصور کرتے تھے، اسی لئے آپ کے شب وروز اسلام و سنیت کے لئے وقف کئے ہوئے تھے۔

جب سوات میں طالبان کے نام سے فتنہ شروع ہوا تو آپ بنفس نفیس متحرک ہوئے اور خود طالبان کے کمانڈر فضل اللہ سے جا کر ملے اور انہیں سوات میں اس فتنہ کو پھیلانے سے روکا۔ آپ کو جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی ملیں مگر آپ جبل استقامت بن کر اپنے اصولی مؤقف پر ڈٹے رہے۔

ایک بار ایک محفل میلاد میں آپ کو دعوت دی گئی، آپ وہاں حاضر ہوئے وہاں کھانا کھانے کے بعد آپ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی، آپ کو ہسپتال میں لے جایا گیا وہاں ٹیسٹ رپورٹ سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ آپ کے کھانے میں کسی بدعقیدہ نے زہر ملا دیا تھا۔ آپ کا علاج ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا دی لیکن اس زہر کا اثر آخر وقت تک آپ کے جسم میں یوں باقی رہا کہ آپ کی زبان میں دم آخریں تک لکنت رہی۔

آپ بدعقیدہ لوگوں کے ایسے اوچھے ہتھکنڈوں سے کبھی خائف نہ ہوئے اور ہمیشہ جبل استقامت بن کر ان کے خلاف ہر محاذ پر سینہ سپر رہے۔

آپ مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م:1340ھ/1921ء) کے والہ و شیدا اور وادیٔ سوات میں فکر رضا کے امین تھے جس پر آپ کی حیات مستعار کے شب و روز شاہد و ناطق ہیں۔

آپ اعلیٰ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب "حسام الحرمین" کے زبردست مؤید تھے۔

آپ کو جب کہیں اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و تعلیمات سے ہٹ کر کوئی عمل یا قول نظر آتا تو آپ جلال میں آجاتے، کسی کا لحاظ نہ کرتے اور نہ ہی کسی مصلحت سے کام لیتے بلکہ نہایت ہی سختی سے اس کی تردید فرماتے تھے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جو اشعار آپ کی زبان پر اکثر جاری رہتے تھے۔ ان میں سے یہ اشعار بھی شامل ہیں:

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

ختم نبوت اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لئے آپ کی کاوشیں قابلِ رشک اور قابلِ تحسین ہیں۔

امیر المجاھدین علامہ حافظ خادم حسین رضوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م:1442ھ/2020ء) نے جب "تحریک رہائی غازی ملک ممتاز حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ "کا آغاز کیا تو آپ نے اس میں بھر پور اپنا کردار ادا کیا۔ آپ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم میں گئے، جب قائدین نے ڈی چوک کی جانب مارچ کیا تو آپ بھی اس مارچ میں شریک رہے ،ڈی چوک میں چار دن دھرنا رہا اور وہاں کھانا پینا بھی بند تھا، آپ بھی نہایت ہی صبر و تحمل سے ہجوم میں بیٹھے رہے۔ آپ کی عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ سٹیج سے بار بار اصرار ہوا کہ آپ بھی سٹیج پر آ جائیں لیکن آپ نے عوام میں ہی بیٹھنا پسند فرمایا۔ آپ تحریک لبیک پاکستان کے نہایت ہی سرگرم رہنما تھے لیکن آپ ایک عام کارکن کی طرح میدان عمل میں رہے۔

ربیع الاول 1441ھ/نومبر 2019ء میں آپ ستائیس دن پابند سلاسل رہے، آپ پر سخت دباؤ ڈالا گیا لیکن آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی اور آپ ہمیشہ اپنے ان ایام اسیری کو ہی "ایام حیات" قرار دیتے تھے۔

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

جامعہ انوار العلوم مینگورہ سوات کے مہتمم علامہ حافظ سراج الدین قادری زید مجدہ نے جب اپنی کتاب "ازالہ الخفاء عن لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" آپ کی خدمت میں تقریظ کے لئے پیش کی تو آپ نے اپنی علالت کے باوجود اس پر نہایت ہی زوردار تقریظ لکھی۔ آپ کی اس تقریظ کا ایک اقتباس بھی ملاحظہ کرتے چلیں:

"اس کو بیماری کے باوجود مطالعہ کیا اور اچھا پایا، فاضل جلیل نے بہت مشقت اور کوشش کے ساتھ اس نعرے (یا رسول اللہ) کے جواز پر بہت حوالہ جات جمع کئے اور بہت سے لوگوں کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کی کوشش کی۔"

علامہ مفتی ابو الظفر پیر سید القادری رحمۃ اللہ علیہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھی۔ آپ کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ آپ جہاں مناظر اسلام، شیخ القرآن والحدیث، استاذ العلماء تھے وہاں آپ اہل سنت وجماعت کے ایک عظیم قائد ورہنما بھی

تھے۔ آپ بیک وقت اہل سنت کی کئی تنظیمات کے مختلف عہدوں پر فائز تھے۔

آپ تحریک لبیک پاکستان ضلع سوات کے سرپرست ،جماعت اہل سنت ضلع سوات کے سرپرست ، تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کی مجلسِ شوریٰ کے رکن اور جمعیت علمائے پاکستان کے صوبائی صدر کے عہدے پر فائز تھے۔

30/شوال المکرم 1441ھ/22/جون 2020ء میں کینسر کے مرض میں مبتلا ہوئے اور پھر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کچھ عرص سیدو شریف کے ایک ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ امام المدرسین علامہ مفتی ابو الفضل فضل سبحان القادری دامت برکاتہم العالیہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں انہوں نے جوں ہی آپ کی علالت کا سنا تو آپ رنجیدہ ہو گئے۔ اور فوراً آپ کی عیادت کے لئے سیدو شریف کے ہسپتال میں میں پہنچ گئے۔

کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت بالآخر آپ نے بھی سفر آخرت کی تیاری کی اور 13/ذوالقعدہ 1445ھ/22/مئی 2024ء بروز بدھ رات دو بجے آپ موت کی آغوش میں چلے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دن شام نماز عصر کے بعد چھے بج کر پندرہ منٹ پر امام المدرسین علامہ مفتی ابو الفضل فضل سبحان القادری دامت برکاتہم العالیہ کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ ادا کر دی گئی۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

آپ کی نماز جنازہ کا منظر دیدنی تھا، لوگوں کے سامنے ایک جنازۂ فقیر تھا، عوام وخواص کا ایک جم غفیر تھا۔ جسے دیکھو ہر شخص آپ کی جدائی میں دلگیر تھا، لوگ دھاڑیں مار مار کر زارو قطار رو رہے تھے، لوگ آپ کا دیدار عام کر رہے تھے۔ علامہ ڈاکٹر محمد شفیق امینی تو آپ کے غم سے نڈھال تھے اور بار بار آپ کے چہرے کی زیارت کر رہے تھے اور آپ سے دور ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وقفے وقفے سے لبیک لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فلک شگاف نعرے بلند ہو رہے تھے۔ سوات کی ساری فضا سوگوار تھی۔

بقول حضرت تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ گویا اپنی زبان حال سے یوں فرما رہے تھے:

میری میت پہ یہ احباب کا ماتم کیا ہے
شور کیسا ہے،یہ آہ و زاری پیہم کیا ہے
آہوں اور سسکیوں کے ساتھ آپ کی تدفین آپ کی اپنی قائم کی گئی درس گاہ جامعہ قادریہ غفوریہ طارق آباد تندوڈاگ سوات کے اس کمرہ میں کر دی گئی جہاں آپ کی نشست تھی جس پر آپ بیٹھ کر قرآن وحدیث کا درس دیا کرتے تھے۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا
کہاں کہاں دل صد چاک اشک خوں روئے
دبے ہیں سینکڑوں افلاک ان زمینوں میں

آہ!ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا۔

صد آہ!ہم ایک عظیم عاشق رسول کے تگ وتاز سے محروم ہو گئے ہیں۔

واحسرتا! ہم عقیدۂ ختم نبوت اور ناموسِ رسالت کے ایک محافظ سے محروم ہو گئے ہیں۔ آہ!

جانے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور ہم سب سمیت تمام پسماندگان کو صبر جمیل اور صبر جمیل پر اجر جزیل عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ واولیاء امتہ وعلما ملتہ اجمعین۔

دعا گو و دعا جو
شریک غم وپر نم
گدائے کوئے مدینہ شریف
احقر سید صابر حسین شاہ بخاری قادری غفرلہ
"خلیفۂ مجاز بریلی شریف" برھان شریف ضلع اٹک پنجاب پاکستان

(21/ذوالقعدہ 1445ھ/30/مئی 2024ء
بروز جمعرات بوقت 10:45 بعد نمازِ عشاء)

مسافران آخرت

آہ! مولانا قاری حافظ محمد غیاث الدین بھی داغ مفارقت دے گئے

از: یادگار اسلاف؛ پیر سید صابر حسین شاہ دام اقبالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ النبی

الامین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ

واصحابہ اجمعین

مسافرانِ آخرت نہایت ہی تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔ ان میں حفاظ، قرآء، علما و فقہا اور صوفیا کی ایک کثیر تعداد بھی شامل ہے، ان کے جانے سے گلستانِ علم و فضل میں خزاں کا منظر نظر آتا ہے۔

دارالافتا، دارالعلوم غریب نواز الٰہ آباد اترپردیش کے سابق استاذ و صدر علامہ محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی زید مجدہ نے یہ خبر وحشت اثر دی ہے کہ 15/ ذوالحجہ 1445ھ/22/جون 2024ء کو رات سوا ایک بجے کے قریب اہل سنت کی معروف درس گاہ دارالعلوم غریب نواز الٰہ آباد کے استاذ حضرت مولانا قاری حافظ محمد غیاث الدین نے رخت سفر باندھا اور مسافرانِ آخرت میں شامل ہوگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا محمد غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ دنیائے اہل سنت کے ایک نہایت ہی فعال، متحرک باصلاحیت عالم باعمل، حافظ قرآن، خطیب نکتہ دان اور علم تجوید کے کہنہ مشق مدرس تھے۔ آپ نے مدرسہ غوثیہ، غوث نگر، الٰہ آباد میں طویل عرصے تک حفظ و قرآت کے ایک نہایت ہی محنتی اور کہنہ

مشق مدرس کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں اور اب دو سال سے دارالعلوم غریب نواز، الہ آباد میں تجوید و قرأت کے شعبے میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے کہ خالقِ حقیقی نے اپنے پاس بلالیا۔

آپ کی وفات حسرت آیات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا ناممکن نظر آتا ہے۔ آپ کا نعم البدل تو بہت دور کی بات ہے، آپ کے بدل کا بھی دور دور تک کہیں نام ونشاں نظر نہیں آتا۔

آپ کے جانے سے ہم سب غمگین و پریشان ہیں لیکن حکم ربی کے سامنے ہم سب بے بس و عاجز ہیں۔ مرضی مولی از ہمہ اولی۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج ان کی کل ہماری باری ہے

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ کی خدمات جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے، آپ کی قبر کو بقعۂ نور بنائے اور آپ کی بخشش فرما کر آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل اور صبر جمیل پر اجر جزیل عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ واولیاء امتہ علماء ملتہ اجمعین۔

دعا گو و دعا جو
شریک غم و پر نم
گدائے کوئے مدینہ شریف
احقر سید صابر حسین شاہ بخاری قادری غفرلہ
سرپرست اعلیٰ ماہ نامہ مجلہ الخاتم انٹر نیشنل و ہماری آواز
مدیر اعلیٰ الحقیقہ و سہ ماہی مجلہ "خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" (انٹر نیشنل)
ادارہ فروغ افکار رضا و ختم نبوت اکیڈمی برھان شریف ضلع اٹک پنجاب پاکستان
(16/ذوالحجہ 1445ھ/23/جون 2024ء
بروز اتوار بوقت 11:15 دن)

قطعہ تاریخ اجرا
سہ ماہی سوئے طیبہ
مرحبا مرحبا سوئے طیبہ
کہ اٹک سے نیا نیا نکلا
ہے خردمند سرپرست اسکا
سیّدِ صابرِ بخاری سا
صاحبِ فکر و فن بلال احمد
اس رسالے کے ہیں مدیرِ علا
خوب پھیلے گی الفتِ احمد
خوب ہو گا فروغِ صدق و صفا
یہ کرے گا اشاعتِ مسلک
یہ عقیدے کا ترجماں ہو گا
سالِ اجرا کی بات جبکہ چھڑی
کہہ دیا "چشمۂ وفائے رضا"
1446ھ
از
صاحبزادہ محمد نجم الامین عروس فاروقی
مونیاں شریف، گجرات